عبدالرحمن ناصر
اصلاحی بی اے (جامعہ)
(مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ)

الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

Scanned by CamScanner

جلد ۱ | ماہ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۶ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی۔	۲ - ۴
باب التفسیر		
سورۃ الفیل	مصنفہ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ	۵ - ۱۳
معارف قرآن		
تیسیر قرآن	امین احسن اصلاحی	۱۴-۲۳
قرآن میں تکرار کی نوعیت اور قصہ آدمؑ و شیطان	مولوی ابو اللیث شیر محمد صاحب اصلاحی۔ ندوی	۲۴-۳۷
مذاکرہ		
آیت انہ لعلم للساعۃ کی صحیح تاویل	مولوی حافظ عبد الاحد صاحب اصلاحی	۳۸-۴۴
موعظۂ حسنہ		
نماز	امین احسن اصلاحی	۴۵ - ۴۸
مقالات		
حلیمۂ تجدیدیہ	مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری	۴۹-۵۳
ادبیات		
غزل	مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم۔اے ایڈوکیٹ اعظم گڈھ	۵۴
تلخیصات		
علم امتحان کی کسوٹی پر	ا۔ ش	۵۵-۶۰
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں	"	"
تقریظ و تبصرہ	ا۔ ش، ع۔ ل	۶۱-۶۴

Scanned by CamScanner

۷۸۶

شذرات

جلسہ وعظ

۱۱۔ ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۔ ۳ مئی ۱۹۳۶ء کی تاریخوں میں، مدرسہ میں ایک جلسہ وعظ منعقد ہوا۔ جلسہ کے انتظام کے لئے وقت بہت کم ملا۔ کل تین چار دن کے اندر تمام انتظامات کئے گئے۔ اس لئے افسوس ہے کہ نہ انتظام خاطر خواہ ہوسکا نہ عام اعلان پوری طرح ہوسکا۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ دور قریب کے ہزاروں مسلمانوں نے جلسہ میں شرکت کی اور علمائے کرام کے مواعظ سے مستفید ہوئے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ (جانشین شیخ الہندؒ و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند) اور جناب مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی نے اپنی شرکت سے جلسہ کو عزت بخشی۔ ۱۲ صفر کی شب میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ کا وعظ ہوا۔ دار الاقامہ کا وسیع صحن سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ مولانا کا وعظ تقریباً دو گھنٹہ تک جاری رہا۔ وعظ اور تقریریں سننے کے بہت موقعے ملے ہیں، لیکن یہ وعظ اپنی کیفیات و اثرات کے لحاظ سے بالکل نرالا تھا۔ ایک خاکسار اور متواضع انسان، کھدر کے لباس میں ملبوس، سیدھے سادھے لفظوں میں مجمع کو نصیحت کر رہا تھا۔ نہ خطابت کا زور شور تھا، نہ فصاحت و بلاغت کے پرپیچ آداب و قواعد کا اہتمام لیکن الفاظ تھے کہ تیر و نشتر کی طرح دلوں میں پیوست ہوئے جاتے تھے۔ ہزاروں کا مجمع تھا اور پورا مجمع سراپا سکوت و اثر تھا۔ مولانا نے مدرسہ کے طلبہ، اساتذہ، کارکنوں اور عام حاضرین جلسہ کو یکساں نصیحتیں فرمائیں اور مشورے دیئے۔ مدرسہ کی خدمات کو نہایت حوصلہ افزا الفاظ میں سراہا، عام حاضرین کو اسکی ضرورت اور اہمیت کی طرف

Scanned by CamScanner

توجہ دلائی اور کچھ کلماتِ نصیحت ان لوگوں کو بھی مخاطب کرکے فرمائے جنکو مدرسہ سے بدگمانی یا اختلاف ہے۔ امید ہے کہ یہ کلمات کانوں میں پڑے ہوں گے۔ کاش دلوں میں بھی اتر سکیں۔

مدرسۃ الاصلاح اور الاصلاح کے متعلق مولانا نے اپنی رائے قلمبند فرمادی ہے جو مدرسہ کی طرف سے علیحدہ پوسٹر کی شکل میں چھاپ کر شائع کردی گئی ہے۔

دائرہ کے معاونین

اس مہینہ میں دائرہ کو چند گرانقدر عطیے ملے۔ ہمارے مخدوم جناب مولوی عبد الغنی صاحب انصاری (اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس) نائب صدر دائرہ حمیدیہ نے سنو روپے اس اخبار کے لئے عنایت فرمائے جو مستقبل قریب میں دائرہ کی طرف سے مسلمانوں کی عام خدمت کے لئے نکلنے والا ہے۔ برادرم مولوی ایوب صاحب اصلاحی نے سنو روپے کی گرانقدر رقم عنایت فرماکر دائرہ کا معاون دائمی ہونا قبول فرمایا۔ عام معاونین کی فہرست میں مولوی عبد الستار صاحب اصلاحی (ساکن اساڑہ اعظم گڑھ) اور جناب منشی محمد منیر صاحب (مدرسہ زینت الاسلام رنگون) کے نام اضافہ ہوئے۔

موجودہ زمانہ میں، ایک خالص مذہبی و علمی خدمت کے لئے احباب و مخلصین کا یہ ایثار نہایت حوصلہ افزا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے اور پھر ان معاونین کے دل سے شکر گزار ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ نہایت شرمندہ ہیں کہ ابتدائے کار کی الجھنوں نے ابتک اصلی مقصد کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ دی۔ الاصلاح تو خیر، برا بھلا مرتب ہوکر وقت پر شائع ہو جاتا ہے لیکن مولانا کی تصنیفات کی طبع و اشاعت کا کام ابھی شروع بھی نہ ہو سکا۔ جس پریس پر الاصلاح چھپتا ہے، اس کو الاصلاح اور دوسرے ضروری کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ مجبوراً ایک اور پریس خریدا گیا ہے۔ امید ہے چند ہفتوں میں آجائے۔ اس کے بعد کتابوں کی طباعت کا کام انشاء اللہ مستقلاً شروع ہو سکے گا۔

الاصلاح کے قارئین اور معاونین جانتے ہیں کہ الاصلاح عام دلچسپی کی چیز نہیں ہے۔ ایسی

Scanned by CamScanner

حالت میں اس کو زندہ رکھنے کے لیئے ناگزیر ہے کہ اس کے قدر دانوں اور ہمدردوں کا پورا حلقہ اسکی ترقی اشاعت میں حصہ لے۔

ہفتۂ خدمت

صفر کا پہلا ہفتہ، طلبہ اور اساتذہ مدرسۃ الاصلاح نے مدرسہ کی مالی خدمت و اعانت کی سرگرمیوں میں بسر کیا۔ طے کیا گیا تھا کہ تمام اساتذہ اور تمام وہ طلبہ، جو عملی کاموں میں کچھ حصہ لے سکتے ہیں قرب وجوار کے دیہاتوں اور قصبوں میں جاکر لوگوں کو مدرسہ کی اعانت کی طرف توجہ دلائیں۔ مقصود یہ تھا کہ مدرسہ کی مالی تقویت کے علاوہ طلبہ کو قومی و مذہبی خدمت کا عملی تجربہ حاصل کرنیکا موقع ملے۔ الحمد للہ طلبہ نے اس کام میں نہایت شوق او محنت سے حصہ لیا اور گرمی اور لوں کے زمانہ میں اساتذہ کے دوش بدوش کام کیا۔ طلبہ کی کارگذاریوں کی جو رپوٹ ہم کو دفتر سے موصول ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ درجہ ہفتم کے ایک ہونہار طالب العلم مولوی عبد العزیز سلمہٗ کی خدمات اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں رہیں۔ اس کے بعد منتہی طلبہ میں سے مولوی صدر الدین سلمہٗ اور مولوی اصغر حسن سلمہٗ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ابتدائی درجہ کے متعلمین میں سے زین العابدین، اقبال احمد، بدیع الزماں محمد ادریس کی کوششیں قابل تعریف ہیں۔ چھوٹے بچوں میں سے، جو ابھی مکتب کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، عزیزی ابوالحسن علی، محمد طاہر اور محمد حنیف سلمہم نے بھی نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ ہم ان عزیزوں کو مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر علم وعمل کی راہیں کھولے اور قوم و مذہب کی خدمت کا ولولہ اور سلیقہ عطا فرمائے۔ اس سلسلہ میں اپنی نالائقی کا بھی ذکر کردوں کہ الاصلاح اور دائرہ کی مشغولیتوں نے مجھکو اس سعادت میں حصہ لینے کا موقع نہ دیا لیکن الاصلاح کی آواز صدہا کانوں تک پہنچتی ہے کیا عجب کہ کسی مخلص کی توجہ اور کرم سے مجھکو بھی شریک سعادت ہونے کی عزت حاصل ہو جائے۔

Scanned by CamScanner

لباب التفسیر

تفسیر سورہ فیل

۵

مصنفہ

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

(امین احسن اصلاحی)

کلام عرب کی شہادت کہ رمی آسمان اور ہوا سے ہوئی

۱۰۔ چھٹی فصل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اس سورہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب اس واقعہ سے اچھی طرح واقف تھے اور اس پر یقین رکھتے تھے۔ اس لئے قرآن مجید نے تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ جس طرح پچھلی قوموں کے مشہور و معروف واقعات یاد دلائے تھے، اسی طرح اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ اب ہم اشعار عرب سے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ واقعہ کے عینی شاہد ہیں، اس لئے ان کے بیانات سے واقعہ کی اصلی صورت بھی سامنے آئے گی۔ یہ اشعار سیرت ابن ہشام اور بعض دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

ابو قیس کہتا ہے:۔

ومن صنعه یوم فیل الحبوش　　　اذ کلما بعثوه رزم

اور اہل حبشہ کے ہاتھی والے دن، اس کے عجیب کرشموں میں سے یہ ہے کہ جتنا اسکو اٹھاتے تھے اتنا ہی وہ بیٹھا جاتا تھا۔

Scanned by CamScanner

محاجنهم تحت اقرابه وقد كلموا انفه فانخرم

ان کے آنکس اسکی کمر اور پیٹ کے نیچے زخمی کر رہے تھے اور انھوں نے اسکی سونڈ زخمی کر ڈالی تھی۔

وقد جعلوا سوطه مغولا اذا يمموه قفاه كلم

انھوں نے گینتی کا کوڑا بنایا تھا جب اس سے مارتے تھے اس کے سر کو زخمی کر دیتی تھی۔

فارسل من ربهم حاصب يلفهم مثل لف القزم

پھر اللہ تعالی کی طرف سے ان پر "حاصب" چلی جو خس و خاشاک کی طرح ان کو لپیٹ لیتی تھی۔

صیفی بن عامر یعنی ابو قیس بن اسلت جاہلی یثربی کہتا ہے:-

قوموا فصلوا ربكم وتعوذوا باركان هذا البيت بين الاخاشب

کھڑے ہو کر اپنے رب سے دعا مانگو اور اس گھر کی پناہ لو جو پہاڑیوں کے درمیان ہے۔

فعندكم منه بلاء مصدق غداة ابي يكسوم هادي الكتائب

کیونکہ خدا کی طرف سے تم پر ایسا انعام ہوا جس سے تمام وعدوں کی تصدیق ہو گئی۔ ابو یکسوم (ابرہہ) کے حملہ کے دن جو دستوں کی قیادت کرتا تھا۔

فلما اجازوا بطن نعمان ردهم جنود الاله بين ساف وحاصب

جونہی وہ بطن نعمان سے آگے بڑھے خدا کی فوجوں نے "ساف" اور "حاصب" کے درمیان نمودار ہو کر ان کو پسپا کر دیا۔

فولوا سراعا نادمين ولم يؤب الى اهله ملجيش غير عصائب

وہ نامراد الٹے پاؤں بھاگے اور فوج میں سے چند مختصر جماعتوں کے سوا کسی کو اپنے اہل و عیال سے ملنا نصیب نہ ہوا

طفیل غنوی جاہلی کہتا ہے:-

ترعى مذ الف وسمى اطاعله بالجزع حيث عصى اصحابه الفيل

ابو الصلت یعنی ابو امیہ بن ابی الصلت، قبیلہ ثقیف کا جاہلی شاعر، طائف کا باشندہ ہے ثقیف'

Scanned by CamScanner

لات اور غبغب کو پوجتے تھے، ان کا ایک خاص معبد بھی تھا جس میں باقاعدہ کلید برداری وغیرہ کے مناصب تھے، اس معبد کی وجہ سے ثقیف اور قریش میں ایک حریفانہ چشمک تھی، وہ کہتا ہے

ان آیات ربنا بینات — لا یماری بھن الا الکفور

ہمارے رب کی نشانیاں بالکل واضح ہیں، صرف کافر ہی انکا انکار کر سکتے ہیں۔

حبس الفیل بالمغمس حتی — ظل یحبو کانہ معقور

اس نے ہاتھی کو مغمس میں روک دیا یہانتک کہ وہ گھٹنوں کے بل اسطرح چلتا تھا جسطرح وہ اونٹنی جسکی کوچیں کاٹ دیگئی ہوں

واضعا خلفہ الحوار کما قطر — صخر من کبکب محدور

اور اس کے پیچھے اس کا بچہ تھا جیسے کوہ کبکب سے کوئی چٹان تراش لی گئی ہو۔

کسی نے ابرہہ کو مخاطب کرکے کہا ہے۔

این المفر والالٰہ الطالب — والاشرم المغلوب غیر الغالب

اب کہاں بھاگتے ہو خدا تعاقب میں ہے۔ اشرم مغلوب ہوگا۔ غالب نہ ہوگا۔

عبدالمطلب نے کوہ حرا پر چڑھ کر کہا۔

لاھم ان المرء یمنع رحلہ فامنع رحالک

اے خدا آدمی اپنے اہل کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے لوگوں کی حفاظت کر

لا یغلبن صلیبھم — ومحالھم ابدا محالک

ان کی صلیب اور قوت تیری قوت پر غالب نہ ہو۔

ان کنت تارکھم وقبلتنا — فامر ما بدا لک

اگر تو ہمارے قبلہ کو ان کے زیرنگیں کرنا چاہتا ہے تو وہی کر جو تیری مرضی ہے۔

نفیل بن حبیب خثعمی جاہلی جو موقع پر موجود تھا کہتا ہے۔

الا ردی جمالک یا ردینا — نعمناکم مع الاصباح عینا

اے ردینہ اپنے اونٹوں کو واپس لا۔ تمہارے دیدار سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

Scanned by CamScanner

فانک لو رایت ولن تدیہ   الی جنب المحصب ما رأینا

اگر تو دیکھتی اور اب ہرگز نہیں دیکھ سکتی جو محصب کے پہلو میں ہم نے دیکھا۔

اکل الناس یسأل عن نفیل   کان علی للحبشان دینا

ہر شخص نفیل ہی کو پوچھتا ہے۔ گویا حبشیوں کا میں نے قرض کھایا ہے۔

حمدت اللہ اذ عاینت طیرا   وحصب حجارۃ تلقی علینا

میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب چڑیوں کو دیکھا اور ہمارے اوپر پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔

مغیرہ بن عبد اللہ المخزومی نے کہا ہے

انت حبست الفیل بالمغمس   حبسته کانه مکردس

تو نے مغمس میں ہاتھی کو روک دیا اس طرح گویا ایک آدمی کو ہاتھ پاؤں باندھکر ڈالدیا گیا ہو۔

محتبس تزهق فیه الانفس

ان اشعار کو غور سے پڑھو، یہ لوگ، جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں، چڑیوں اور پتھروں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں لیکن یہ کہیں نہیں کہتے کہ یہ پتھر چڑیوں نے پھینکے، بلکہ اس سنگباری کو "حاصب" اور "ساف" کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے اب ان دونوں لفظوں کی حقیقت دریافت کرنی چاہئے۔

عربی میں "حاصب" اُس تند ہوا کو کہتے ہیں جو کنکریاں اور سنگریزے لاکر پاٹ دیتی ہو اور اس بادل کو بھی کہتے ہیں جس سے اولوں اور برف کی بارش ہوتی ہے، قوم لوط کے عذاب کے متعلق قرآن میں ہے انا ارسلنا علیهم حاصبا ہم نے ان پر حاصب بھیجی۔

مفسرین نے حاصب کے معنی ایسی تند ہوا کے لئے ہیں جو زور و شدت کی وجہ سے زمین کی کنکریاں اور سنگریزے اٹھا لیتی ہے۔ حضرت علیؓ نے خوارج سے خطاب کرکے فرمایا "اصابکم حاصب" (تم پر

حاصب چلے) اہل لغت نے اس کی تفسیر یوں کی کہ تم پر عذاب الٰہی آئے یعنی آسمان سے تم پر سنگریزوں اور کنکریوں کی بارش ہو۔

دوسرا لفظ "ساف" ہے۔ چڑیوں کے لئے اس لفظ کا استعمال کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا سافی اس ہوا کو کہتے ہیں جو گرد و غبار، خس و خاشاک اور درختوں کی خشک پتیاں اڑاتی ہوئی چلتی ہے، بلکہ غبار کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل ہے اور چڑیوں کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ چونچوں اور چنگلوں میں غبار نہیں اٹھا سکتیں۔

ان شعروں میں یہ بھی تصریح ہے کہ اصحاب فیل نہایت ابتری کے ساتھ بھاگے، اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ یہ پتھر ان کے جسموں میں گھس جاتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو پھر سب وہیں کے ہیں ڈھیر ہو جاتے، بھاگنے کی نوبت نہ آتی۔

عین اس دن اس آندھی کا اٹھنا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا اس لئے تمام زبانوں پر اس کا چرچا پھیل گیا، چنانچہ ساتویں فصل میں ہم ذوالرمۃ کے اشعار نقل کر آئے ہیں، جس نے ایک حیرت انگیز واقعہ کی حیثیت سے، اس کا تذکرہ کیا ہے اور پوری تصویر کھینچ دی ہے۔

الغرض تمام قرائن وحالات کی شہادت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی طرح اصحاب فیل پر بھی تند ہوا کا آسمانی عذاب بھیجا جس نے ان پر ہر طرف سے گرد و غبار کے ساتھ کنکروں اور پتھروں کی بارش کی، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرشتوں یا دوسرے لفظوں میں اس کی مخفی افواج کی کارفرمائی ہے۔

سورہ ذاریات اور سورہ مرسلات میں خدا نے اسی چیز کو شہادت میں پیش کیا ہے۔ سورہ ذاریات کی تفسیر میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔

ممکن ہے کسی کو یہ شبہہ ہو کہ ان شاعروں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ چڑیاں ان کی لاشیں کھاتی تھیں، لیکن یہ شبہہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ کی روایات میں کنایۃً و صراحتاً

Scanned by CamScanner

دونوں طرح اس کا ذکر آچکا ہے، باقی رہے شعراء تو ان کا عام انداز کلام اجمال و کنایہ ہے، تصریح و تفصیل نہیں بعض نے مجملاً چڑیوں کے دیکھنے کا ذکر کر دیا ہے اور اس قدر بس تھا کیونکہ قتل گاہوں اور جنگ کے میدانوں میں گوشت خوار چڑیوں کا جمع ہونا عربوں میں ایک معلوم و مشہور بات تھی۔ وہ فوج کے ساتھ چڑیوں کے جھنڈ دیکھکر فیصلہ کر لیتے تھے کہ لڑائی ضرور ہوگی۔ **اصحاب رجیع** کے قتل کی پیشینگوئی **عمرو بن امیہ** نے اسی دلیل سے کی۔ بعض شعراء فوجوں کے ذکر کے ساتھ، چڑیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ چڑیوں کو نفس و تجربہ سے پتہ چل گیا ہے کہ میدان جنگ میں بیشمار لاشیں ملیں گی اسلئے وہ بھی ساتھ ہولی ہیں مشہور شاعر نابغہ عمرو بن حارث غسانی اور اس کی قوم کا ذکر کرتا ہے۔

اذا ما غزوا بالجیش حلق فوقهم　　عصائب طیر تهتدی بعصائب

جب وہ فوج لیکر حملہ کرتے ہیں، چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ ان کے اوپر منڈلاتے ہیں

تراهن خلف القوم خزرا عیونها　　جلوس الشیوخ فی ثیاب المرانب

قوم کے پیچھے چڑیاں بیٹھی ہوئی کن انکھیوں سے دیکھ رہی ہیں جیسے پوستین اوڑھے ہوئے شیوخ بیٹھے ہوئے ہوں

جوانح قد ایقن ان قبیله　　اذا ما التقی الجمعان اول غالب

وہ گرا چاہتی ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ جب دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوتی ہے تو انہی کا قبیلہ غالب رہتا ہے۔

اسی مضمون کو ابو نواس نے لیا ہے۔

تتأی الطیر غدوته　　ثقة بالشبع من جزره

غرض، فوج کیساتھ چڑیوں کا محض ذکر کر دینا کافی تھا، اس تشریح کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی کہ وہ چڑیاں لاشوں کو کھاتی تھیں، یہ بات عرب میں ایسی جانی بوجھی ہوئی تھی کہ خود بخود سمجھی جاتی تھی۔ فوج اور چڑیوں کا یہ تعلق واضح ہو جانے کے بعد تصور کرو، جب وقت سیہ فام و دیو ہیکل حبشیوں

اور کوہ پیکر ہاتھیوں کا یہ سیلاب ظلمت، عرب کے سپید صحرا کی طرف بڑھا ہوگا، یہ منظر کتنا خوفناک اور عجیب رہا ہوگا! ناممکن ہے کہ شکاری اور گوشت خوار چڑیاں، جن کے تجربہ و تفرس کی اتنی شہادتیں پڑھ آئے ہو، اس دل بادل فوج کی روانگی کے وقت چوک جائیں۔ صحرائی افریقہ کے خوفناک اور بڑی بڑی گدھ، اپنے ہولناک سروں اور آہنی چنگلوں کے ساتھ ضرور انکے ہمرکاب ہی ہونگے۔ روایات سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے، کیونکہ بعض روایات میں ہے یہ پرندے سمندر کی طرف سے آئے تھے۔

تم کہو گے یہ تو روزمرہ کا ایک معمولی اور عادی واقعہ ہوا پھر اس اہتمام اور شان کے ساتھ اسکے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، قرآن مجید میں، نوحؑ، لوطؑ اور عاد، ثمود کی قوموں کی بربادی کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، حالانکہ ان تمام قوموں کی تباہی عام اسباب ہی کے تحت ہوئی تھی۔ حق یہ ہے کہ یہ واقعات اگرچہ عام اسباب و علل کے دائرہ سے باہر نہیں ہیں لیکن انمیں خدا کی رحمت و نقمت کی نہایت اہم داستانیں پنہاں ہیں۔ پھر قرآن مجید کا عام انداز تذکیر و موعظت بھی یہی ہے، وہ ہر قدم پر شب و روز کی آمد و شد، ہواؤں اور بادلوں کی گردش، شمس و قمر کے ایاب و ذہاب کا تذکرہ کرتا ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی بات بھی ہمارے روزمرہ کے آزمائے ہوئے ضابطہ قدرت سے الگ نہیں ہے، پس جس طرح اس نے ان واقعات اور تصرفات قدرت کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح اصحاب فیل کی بربادی کا بھی ذکر کیا کہ اس میں مکہ اور اہل مکہ کی حفاظت، ان کے دشمنوں کی سنگریزوں اور پتھروں کے ذریعہ عبرت انگیز بربادی، طیر ابابیل کے ذریعہ جوار مکہ کی تطہیر کی بیشمار نشانیاں پنہاں تھیں۔

پھر اس میں حضرت سرورؐ عالم کی ولادت کی بھی ایک عظیم الشان نشانی تھی جو اگلے صحیفوں میں مذکور ہوئی تھی، آگے اس کی تفصیل آتی ہے۔

آنحضرت صلعم کے متعلق ایک اہم پیشینگوئی کی تصدیق

۱۱۔ چڑیوں کے متعلق اوپر ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید یوحنا (یحییٰؑ) کے مکاشفات سے بھی ہوتی ہے

انھوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کے پیرؤں کے تذکرہ کے ذیل میں، حضرت خاتم النبیین صلعم کا بھی ذکر کیا ہے اور آپ کے سلسلہ میں قیامت تک جو اہم واقعات پیش آئیں گے ضمناً ان میں سے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ از انجملہ یہ بھی ہے کہ فضا کے سارے اڑنے والے پرندے خدا کی بڑی ضیافت میں شریک ہونگے۔ سورہ ماعون کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ ہاشم نے یہ سنت جاری کردی تھی، چنانچہ انکو چڑیوں کا میزبان کہا جاتا تھا۔ اب مزید تعمق سے غور کرو تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ حضرت یحییٰؑ کے مکاشفہ سے واقف تھے انکے لئے اس واقعہ میں آنحضرت صلعم کے قرب ولادت کی بشارت تھی حضرت یحییٰؑ کا مکاشفہ (۱۹ : ۱۱-۱۹) میں یوں مذکور ہے

"پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا، اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے، جو امین اور صادق (سچا اور برحق) کہلاتا ہے اور راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں، اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں اور اسکا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے (یعنی آپ نبی جہاد ہوں گے، نیز فتح مکہ کے وقت آپکے جسم پر سرخ لباس تھا) اور اسکا نام کلام خدا کہلاتا ہے (غالباً یہ یونانی کا اضافہ ہے تاکہ اس مکاشفہ کے مصداق حضرت عیسیٰ ہوسکیں حالانکہ بقیہ تمام باتیں ان کی زندگی سے بالکل بے جوڑ ہیں) اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہیں (جیسا کہ غزوہ بدر میں واقع ہوا) اور قوموں کے مارنے کے لئے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے، (یعنی قرآن حکیم) اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا (اس میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی حکومت نہایت محکم عدل کی بنیاد پر قائم ہوگی، اور کفار نیز عہد شکن اہل کتاب آپ کی عدالت میں سزا پائیں گے، چنانچہ آنحضرت صلعم کی نسبت حضرت موسیٰؑ نے بھی پیشنگوئی فرمائی ہے، کہ "وہ نافرمانوں پر سخت ہوگا" اس کی کامل مثال حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا عہد خلافت ہے) اور قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مے کے حوض میں انگور روندے گا (چنانچہ فتح مکہ کے دن کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر آپ نے

خطبہ دیا:- اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے وعدے کو پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی، اور یکہ وتنہا دشمن کے تمام جتھوں کو شکست دی۔ سن لو! تمام خاندانی استحقاق اور مال اور خون کے تمام مطالبات میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں، صرف دو مستثنٰی ہیں، خانہ کعبہ کی کلید برداری، اور حجاج کو پانی پلانے کی خدمت، اسی طرح عرفہ کے خطبہ میں آپ نے فرمایا، سن رکھو! جاہلیت کی ہر بات میرے ان قدموں کے نیچے روند دی گئی (مسلم) پیشینگوئی کے اس حصہ کی شرح بہت طویل ہے، یہاں محل تفصیل نہیں) اور اسکی پوشاک پر یہ نام لکھا ہوا ہے، بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند (غالباً اس مقام پر راس الخلفاء، اور سید السادات وغیرہ کے ہم معنی الفاظ ہوں گے) پھر میں نے ایک فرشتے کو آفتاب پر کھڑے ہوئے دیکھا، اور اس نے بڑی آواز سے چلا کر آسمان میں کے سارے اڑنے والے پرندوں سے کہا کہ آؤ، خدا کی بڑی ضیافت میں شریک ہونے کے لئے جمع ہو جاؤ، تاکہ تم بادشاہوں کا گوشت اور فوجی سرداروں کا گوشت اور زورآوروں کا گوشت، اور گھوڑوں اور ان کے سواروں کا گوشت اور سارے آدمیوں کا گوشت کھاؤ خواہ آزاد ہوں خواہ غلام، خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے"

اس کے بعد جو حالات بیان ہوئے ہیں، وہ بھی نبی امی صلعم کے حالات سے پوری مطابقت رکھتے ہیں لیکن زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم نے پیشینگوئی کو شروع سے نقل کیا ہے، کہ تطبیق حالات میں کسی کو کوئی شبہہ نہ ہو، دیکھو! جب آنحضرت صلعم کے ظہور کا وقت قریب آیا، اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اڑنے والے پرندوں کو اپنی ضیافت میں شرکت کی دعوت دی، ممکن ہے کہ تم کہو کہ یہ پیشینگوئی آخیر عہد رسالت سے متعلق ہے۔ یہ صحیح ہے ہم کو اس سے انکار نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال شروع میں دکھادی تاکہ آپ کے محبوب شہر پر حملہ کے وقت آپ کے دشمنوں کی بربادی کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے متعلق آپ کو پورا اطمینان قلب ہو جائے، نیز منکرین کو فی الجملہ تنبیہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا ہے

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ — اور اس بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کو چھوٹے عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ ہماری طرف رجوع ہوں۔

(باقی)

Scanned by CamScanner

معارف القرآن

تیسیر قرآن

۲

از
امین احسن اصلاحی

ردعمل جن لوگوں نے ان تفسیروں کی مدد سے قرآن مجید کو سمجھنا چاہا، ان کو اُن باتوں سے جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، مایوسی ہوئی۔ اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ یہ مایوسی بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ حالات پیش آگئے جن سے آج ہم دوچار ہیں۔ یعنی ایک جماعت نے پوری قوت کے ساتھ ماسوائے قرآن سے اعلان جنگ کر دیا کہ صحابہؓ قرآن مجید کو اس کے الفاظ کی روشنی میں سمجھتے تھے۔ ان کو نہ روایات کی ضرورت پیش آئی نہ ان متکلمانہ بر ہانیات کے محتاج ہوئے، پھر آج قرآن مجید کا سمجھنا سمجھانا، ابن جریر، امام رازی، قاضی بیضاوی اور امام سیوطی کی کتابوں پر کیوں منحصر ہو جائے؟

ان خیالات کو ان لوگوں نے مزید آب و رنگ دیکر چمکایا جو مغربی خیالات و عقائد سے مرعوب تھے۔ یہ لوگ قرآن مجید یا مذہب کے متعلق جو سنی سنائی باتیں جانتے تھے، وہ ان کے مذاق اور عقل پر پوری نہیں اترتی تھیں اور جو کچھ نہیں جانتے تھے، اور وہی حصہ مذہب کا اصلی حصہ تھا اس کے نہ جاننے کا ننگ گوارا نہ کر سکتے تھے اس لئے سرے سے اس کے وجود ہی سے انکار کر دیا کہ نہ اسکے وجود کو تسلیم کریں گے نہ اس کے عدم واقفیت کی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ پس ان لوگوں نے

یہ راہ اختیار کی کہ قرآن مجید آسان اور سادہ کتاب ہے۔ اس کے مخاطب اول عرب تھے جو بالکل وحشی اور بدوی تھے۔ ایسی قوم کو ایک ایسی کتاب دینا جس کے اسرار و غوامض کی نسبت یہ کہا جاتا ہو کہ لاتنقضی عجائبہ ایک بے معنی اور مہمل بات ہے۔ اور خدا کی حکمت کے بالکل منافی ہے۔ پھر قرآن مجید دنیا کے تمام انسانوں کے لئے صحیفۂ رشد و ہدایت بنکر نازل ہوا ہے اس لئے اگر وہ مشکل اور دقیق اسرار پر مشتمل ہو تو دنیا اس کے فوائد سے محروم رہیگی۔ اور اس کی حجت تمام نہیں ہو سکتی۔

پھر وہ ان آیتوں سے سند پکڑتے ہیں جن میں ایسے الفاظ آئے ہیں جو، ان کے زعم میں، قرآن مجید کے سہل اور آسان ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیثوں اور روایتوں سے وہ یہ کہکر پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ ظنیات ہیں اگر قرآن مجید کی تاویل و تفسیر کی بنیاد ان کو قرار دیا گیا تو قرآن کی قطعیت برباد ہو جائے گی۔ اس طرح وہ بے روک اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے عربی زبان کی معرفت کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

ان تمام خیالات کو پیش نظر رکھکر اب ہماری معروضات سنئے۔

کلام کے مشکل اور آسان ہونیکے تین پہلو کسی کلام پر مشکل اور آسان ہونے کا حکم تین اعتبارات سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) خود کلام کے اعتبار سے۔ یعنی اگر کسی کلام میں الفاظ غریب ہوں، عبارت میں تعقید ہو، معروف قواعد نحو و صرف اور محاورہ عام کی مخالفت ہو، دور از کار استعارات، بعید از فہم تلمیحات، غیر واضح تشبیہات، ناقابل فہم کنایات کی کثرت ہو، تو وہ کلام مشکل ہوگا۔ برعکس اس کے اگر الفاظ و محاورات معروف ہوں۔ جملوں کی ترتیب اور ترکیبوں کی نشست میں ایچ پیچ نہ ہو۔ قواعد زبان کے معروف اصولوں کی پوری رعایت ہو تو وہ کلام شستہ، پاکیزہ، سہل اور آسان ہوگا۔ غالب کے کلام کا جو حصہ بیدل کے رنگ میں ہے وہ ہر شخص کو مشکل اور بے مزہ معلوم ہوتا ہے

Scanned by CamScanner

لیکن جس حصہ میں خود ان کا رنگ ہے اسکا ایک ایک مصرعہ پاکیزگی، طہارت، بلاغت اور دلنشینی کی بے نظیر مثال ہے۔

۲۔ مضمون کے اعتبار سے۔ بعض مضامین، خود سہل ہوتے ہیں مثلاً قصص، تاریخ، ناول افسانے، قانون وغیرہ۔ بعض مشکل ہوتے ہیں مثلاً فلسفہ، منطق، اقلیدس، ریاضی، معاشیات وغیرہ پہلی قسم کے مضامین زیادہ غور و تدبر کے محتاج نہیں ہوتے۔ ہر شخص پڑھتا ہے اور آسانی سے سمجھ لیتا ہے لیکن فلسفہ کی کسی کتاب کو کوئی شخص ناول کی روانی کے ساتھ پڑھکر کیسے سمجھ سکتا ہے؟

۳۔ مخاطب کے اعتبار سے۔ غالب کی ایک سادہ سے سادہ غزل ایک ابجد خواں کے لئے نہایت مشکل ہے لیکن اگر ایک ماہر فن کے سامنے ان کے مشکل اشعار بھی پیش کیجئے وہ آسانی سے سمجھ لے گا۔

ان امور کو پیش نظر رکھکر اب قرآن مجید کے سہل و آسان ہونے پر غور کیجئے۔ قرآن مجید ایک کلام ہے اور ایسا کلام جس کی بلاغت کی تمام عرب و عجم بلکہ سما، دنیا کے نیچے کوئی دوسری نظیر نہیں، ایسے کلام کی نسبت پہلے اعتبار سے تو ظاہر ہے کوئی بحث نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ کلام کا یہ عیب متکلم کی عدم قدرت کلام کا نتیجہ ہے اور قرآن مجید جس کا کلام ہے وہ جملہ عیوب سے منزہ ہے۔ اس لئے قرآن مجید جس زمانہ میں اترا اس زمانہ کی فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیوں کا حامل ہے۔ یہانتک کہ اس کے مخاطب جو دنیا میں کلام کے بہترین نقاد تھے، اس کے ایک ایک حرف سے بیزار ہونے کے باوجود اعتراف کرتے تھے کہ یہ سحر ہے۔ قرآن نے تحدی کی کہ اس کے مثل تم ایک ہی سورہ لاؤ، اور اس کے لئے تم اپنی ارضی و سماوی تمام قوتیں فراہم کرلو، وہ جوش و ہیجان غضب میں اسلام سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے لیکن اس تحدی کا ان کے پاس اسکے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ یہ جادو ہے۔

ایک ایسے کلام میں نحو وصرف کے عام قواعد کی رعایت، شواذ وغرائب سے اجتناب تعقیدات اور عقل آزما ابہامات سے احتراز اور اس قبیل کی دوسری خوبیاں اس قدر ابتدائی درجہ کی چیزیں ہیں کہ ان کی نسبت سرے سے کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ پس اس اعتبار سے، بلاشبہہ، دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید نہایت کھلا ہوا اور آسان ہے۔

اب دوسرے پہلو سے غور کیجئے یعنی موضوع و مضمون کے اعتبار سے۔ قرآن مجید اپنے موضوع اور مضامین کے اعتبار سے کلام کی کس صنف میں داخل ہے؟ جو لوگ قرآن مجید کی گوناگوں خصوصیات سے کسی قدر آشنا ہوں گے وہ اس کا جواب یہ دیں گے کہ قرآن مجید مذکورہ بالا دونوں صنفوں سے ماوراء کلام ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ مسلمانوں میں، اس کے متعلق عام طور پر ایک مبہم سا خیال مجموعۂ احکام و قوانین کا پیدا ہو گیا ہے اور افسوس ہے کہ یہ خیال علماء (الا ماشاء اللہ) اور عوام دونوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جو لوگ مغربی خیالات سے متاثر ہیں وہ بھی اسی طرح کا خیال رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ یہ لوگ دین کے متعلق اس سے زیادہ بلند تصور ہی نہیں کر سکتے کہ وہ حرام و حلال کے بتانے کا ایک ضابطہ ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ فقہ کی جزئیات و کلیات علیحدہ مرتب ہو جانے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت محض تبرکاً و تیمناً ضروری سمجھتے ہیں، حصول علم و تفقہ کے اعتبار سے کچھ زیادہ سودمند نہیں خیال کرتے۔ ان خیالات کے پیدا ہونے اور پھیلنے کی ایک تاریخ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں تاہم بعض وجوہ کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔

(۱) پہلی وجہ ہمارے علماء کی یہ عام غلط فہمی ہے کہ دین میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ ہم جن باتوں پر ایمان لاتے ہیں پیغمبر کے کہنے پر ایمان لاتے ہیں اور پیغمبر کو معجزہ کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ اگر دین میں عقل کو دخل ہوتا تو وحی کی کیا ضرورت تھی اور ایمان بالغیب کی تعریف کیوں کی جاتی؟ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک دین کا نظام اس قدر بسیط ہو وہ قرآن مجید کو

Scanned by CamScanner

چند اوامر اور چند نواہی کے ضابطہ سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے اور اسطرح کے ضابطہ کو سمجھنے کے لئے یقیناً کسی خاص غور وتدبر کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ دوسری وجہ علوم یونانیہ کا رواج ہے۔ جو لوگ ان میں مشغول ہوئے انھوں نے قرآن مجید کو اوامر و نواہی کے ایک منتشر مجموعہ اور مواعظ و نصائح کے ایک خشک دفتر سے زیادہ وقعت نہ دی۔ وہ نہایت پست اور راہ فطرت و ہدایت سے ہٹی ہوئی عقلیات میں الجھ گئے اور یہ گمان کر لیا کہ توحید و رسالت کے مسائل پر فلسفہ ہی سے دلیل لائی جا سکتی ہے کیونکہ مذہب خود اپنی حمایت سے عاجز ہے اس کی تمام دلیلیں از قبیل اقناعیات ہیں۔ اس وہم نے ان لوگوں کو قرآن مجید سے بہت دور کر دیا اور چونکہ یونانی عقلیات نے ایک طویل زمانہ تک ذہنوں اور دماغوں پر فرمانروائی کی تھی اس لئے اگر کسی پر قرآن کی اصلی عظمت کچھ بے نقاب ہوئی بھی تو وہ عام خیال کے خلاف کچھ بولنے کی جرأت نہ کر سکا۔

۳۔ تیسری وجہ وہی عربوں کی جہالت کا عام اعتقاد ہے۔ اس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ افسوس ہے کہ عربوں کے متعلق تعلیمیافتہ لوگوں میں بھی نہایت غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں اور اس زمانہ میں جو لوگ مغربی حکمتوں کی شراب سے متوالے ہو رہے ہیں۔ وہ تو زمانہ نزول اسلام کے جاہل اور وحشی عربوں میں کسی طرح کی ذہنی و دماغی صلاحیت و استعداد کا تصور ہی نہیں کر سکتے اور اسی بنا پر سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید صرف چند احکام اور چند مواعظ کا سیدھا سادہ مجموعہ ہے اس لئے اگر کوئی شخص قاہرہ کے الہلال کے کسی مضمون کا غلط صحیح ترجمہ کر سکتا ہے تو وہ بدرجہ اولی قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا بھی حق رکھتا ہے۔ حالانکہ عربوں کے متعلق اس سے زیادہ غلط خیال کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہم انشاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں اس غلط فہمی پر تفصیل سے بحث کریں گے۔

الغرض عوام اور خواص دونوں نے قرآن مجید کو اس کے اصلی رتبہ سے بہت نیچے کر کے دیکھا۔

Scanned by CamScanner

عوام دل کی خلشوں اور عقل کی الجھنوں سے آزاد ہوتے ہیں اور دین کو تقلیداً مانتے ہیں۔ ان کو دین کی ضرورت صرف اسقدر ہے کہ حرام و حلال کو معلوم کرلیں اور مذہب کے ظاہری رسوم و فرائض سے آشنا ہوجائیں۔ اس ضرورت کے پوری ہو جانے کے بعد نہ انھیں زیادہ کی ضرورت ہے نہ اس سے زیادہ کا وہ تصور کر سکتے۔ باقی رہے علماء، تو وہ عموماً اُس سوء ظن کی وجہ سے قرآن مجید کی طرف متوجہ نہ ہو سکے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے قرآن مجید کو صرف ایک مجموعۂ احکام و قوانین کی حیثیت سے دیکھا جس میں ضمناً بطور پند و موعظت اخلاقی نصیحتیں، گذشتہ قوموں کے قصے، گمراہ فرقوں کے اعمال و عقائد وغیرہ بھی آجاتے ہیں اور کہیں کہیں توحید و معاد وغیرہ کی وہ موٹی موٹی دلیلیں جو عوام کے لئے کافی ہوسکیں۔ جو لوگ دین اور قرآن کو معجزہ کی بنیاد پر مانتے تھے ان کو تو اس سے زیادہ کی طلب نہ تھی مگر جنھوں نے اس سے زیادہ کی ضرورت سمجھی وہ قرآن کی جگہ علوم یونانیہ میں مشغول ہوگئے۔

قرآن کا مقصد نزول قرآن مجید کے متعلق اس سے زیادہ مہلک سوء ظن کوئی اور نہیں ہوسکتا اس لئے ضرورت ہے کہ اجمالاً اس پر بحث کی جائے۔

سب سے پہلے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن مجید کا مقصد نزول کیا ہے؟ قرآن مجید میں آدم علیہ السلام اور شیطان کا قصہ متعدد سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے خدا کے حکم کے خلاف آدمؑ کو بوجہ استکبار و حسد سجدہ کرنے سے انکار کردیا تو خدا نے شیطان کو حکم دیا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ (اعراف)	فرمایا جنت سے نکل، تجھکو حق نہیں ہے کہ اس میں غرور کرے، نکل جا تو ذلیلوں میں سے ہے۔

. . . .

اس پر شیطان نے کچھ مہلت مانگی اور جوش حسد میں جھلا کر کہا۔

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ

کہا بوجہ اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ان کو گمراہ کرنے کے لئے تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ان کے پاس ان کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے آؤنگا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گذار نہ پائیگا۔

بالآخر شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو فریب دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا۔

اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ

۲۴ اعراف

تم لوگ نکلو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں رہنا اور نفع اٹھانا ہے۔

آدمؑ اور ان کی ذریت کے لئے یہ معاملہ بہت کٹھن تھا۔ وہ دنیا میں شیطان کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں جو ایک طرف جوش حسد اور جذبہ انتقام سے اسقدر متوالا ہے کہ پہلے ہی دن چیلنج کرتا ہے "کہ میں ان کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے ان کی راہ ماروں گا اور اکثر کو گمراہ کردونگا" دوسری طرف اسقدر شاطر اور کارداں ہے کہ ایک ہی چلتر میں آدمؑ کے عزم و ثبات کے تمام تار و پود بکھیر دیتا ہے۔ پس ایسی حالت میں ضرور تھا کہ رحمت الٰہیہ آدمؑ کو کوئی ایسا افسوں بھی سکھاتی جو اس پرفریب دشمن کے مقابلہ میں کام آتا اور ان کی ذریت اس کے بے پناہ حملوں سے محفوظ رہتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور ان کی ذریت کو تسلی دی۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

(۳۸ بقرہ)

اگر میری جانب سے کوئی ہدایت (نبی اور شریعت) آئے تو تم اس کی پیروی کرنا جس نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کے لئے نہ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔

Scanned by CamScanner

اسی وعدہ کا ذکر اعراف آیت ۳۵ میں ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اے بنی آدم جب ایسا ہو کہ تمہارے پاس تمہیں میں سے انبیاء آئیں اور تم پر میری آیتیں پڑھیں تو انکی پیروی کرنا جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کی ان کیلئے نہیں ہے حزن

آدمؑ کو شیطان سے، دنیا میں خوف اور قیامت میں غمگینی کا جو اندیشہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے ذریعہ اس کو دور کر دیا۔ اس وقت اس قصہ کے اسرار و رموز سے بحث نہیں کرنی ہے۔ صرف یہ دکھانا ہے کہ اس وعدہ کے ایفاء، اور آدم کی اس ضرورت کی تکمیل کے لئے خدا نے دنیا میں انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور ان پر کتابیں نازل کیں

جو لوگ قرآن مجید سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ قرآن کی بولی میں شیطان کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ سورۃ الناس میں ہے۔

اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جنوں میں سے اور انسانوں میں سے

بقرہ میں ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ

جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں، کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس ہوتے ہیں کہتے ہیں تمہارے ساتھ ہیں

پھر اس کی بے پناہی اور کاروائی کا یہ عالم ہے۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

وہ اور اسکی جماعت تم کو وہاں سے دیکھتی ہے جہاں سے تم انکو نہیں دیکھتے

یعنی دنیا میں گمراہی اور ضلالت جن بھیسوں اور شکلوں میں آئے شیطان کی طرف سے ہے۔ اور جن و بشر میں سے جو شریر وجود بھی خدا کی صراط مستقیم سے بہکائے اور مخلوق خدا کی راہ مارے وہ شیطان ہے

شیطان کے بھیس ان گنت اور اس کے چلتر بے شمار ہیں۔ انسان کے اندر جتنی ظاہری اور باطنی قوتیں ودیعت ہیں سب کی گھاٹیاں اسکو معلوم ہیں، وہ ہر دروازے سے گھستا اور ہر راستہ سے نکلتا ہے۔ وہ خون بنکر رگوں میں دوڑتا ہے۔ جذبات وشہوات کی صورت میں ہیجان میں آتا ہے۔ حسن بنکر لبھاتا ہے عشق بنکر چٹکیاں لیتا ہے۔ امید و تمنا کے سبز باغ دکھا کر اچھالتا ہے۔ پھر مایوسی کی کمند ڈالکر پچھاڑ دیتا ہے۔ صرف اسی قدر نہیں۔ بلکہ اس کے پاس طرح طرح کے واعظانہ لطیفے اور حکیمانہ نکتے ہیں۔ وہ منطقیوں کی طرح صغریٰ و کبریٰ تراشتا ہے۔ فلسفیوں کی طرح حقائق عالم اور اسرار کائنات کا درس دیتا ہے۔ اور ماہرین سیاست کی طرح سیاست اور فرمانروائی کے نکتے بیان کرتا ہے۔ اور جب ان تمام تدبیروں سے بھی بنی آدم کی مخالفت اور دشمنی کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوتا تو کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدعی نبوت بنکر نبوت کرنے لگتا ہے۔ آسمانی صحیفوں، امام غزالی کی احیاء العلوم اور گوئٹے کی فاوسٹ وغیرہ پر جن لوگوں کی نظر ہے۔ وہ ان خردبینوں کی مدد سے آفاق وانفس کا مشاہدہ کریں۔ ان کو شیطان کے طلسمات کا ایک عجائب زار نظر آئیگا۔

غور کرو! مذہب اور مذہب کا صحیفہ اس پر فریب طلسم آباد میں بنی آدم کی روشنی اور اس معرکہ گاہ جدل و فساد میں دفاع کا ہتھیار ہے۔ اگر یہ روشنی اتنی ہی دھندلی ہے جتنی سمجھتے ہو اور یہ تلوار اتنی ہی کند ہے جیسی بیان کرتے ہو تو بنی آدم کی اتنی دراز اور اسقدر پرخطر منزل کیونکر طے ہوگی۔

یہ ایک ضمنی لطیفہ تھا۔ اصلی بات جو کہنی ہے وہ یہ ہے کہ اسی وعدے کے مطابق خدا نے بنی آدم کی رہبری اور ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل کیں۔ یہاں تک کہ اس آخری رسول (علیہ الف الف تحیۃ) کو بھیجا جسکی نسبت اگلے صحیفوں میں پیشینگوئی کی گئی تھی کہ اس کی لائی ہوئی روشنی دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہیگی۔ قرآن مجید میں اس رسول کی صفت سورہ جمعہ میں یوں بیان کی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ)

وہی ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انپر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انکا تزکیہ کرتا ہے اور انکو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

Scanned by CamScanner

یہ اس دعا کی قبولیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

اے رب ان میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجو جو ان پر تیری آیتیں پڑھے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

سورہ جمعہ، جس میں اوپر والی آیت وارد ہے، ان اسمائے حسنیٰ سے شروع ہوئی ہے۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

آسمان اور زمین میں جو چیزیں ہیں، سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں جو بادشاہ، پاک، غالب، حکمت والا ہے۔

اہل نظر سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان چاروں صفتوں کا عکس اس کے اس پیغمبر میں موجود ہے جس کی تعریف اس کے بعد والی آیت میں وارد ہے اور پھر وہی قرآن مجید کی حقیقت ہے۔ اس آیت میں پیغمبر صلعم کی یا بعبارت دیگر قرآن مجید کی چار صفتیں مذکور ہیں۔

(۱) تلاوت آیات

(۲) تزکیہ

(۳) تعلیم کتاب

(۴) تعلیم حکمت۔

ضرورت ہے کہ مختصراً ان کی تشریح کی جائے۔

(باقی)

قرآن میں تکرار کی نوعیت

اور

قصہ آدمؑ و شیطان

۳

از
(جناب مولوی ابو اللیث بشیر محمد صاحب اصلاحی ندوی)

قصہ آدمؑ و شیطان سورہ کہف میں

اس سورہ میں یہ قصہ تمام سورتوں سے زیادہ مختصر ہے۔ کل ایک آیت ہے جس میں قصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور مقصد قصہ کیطرف بھی متوجہ کیا گیا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا	اور جب کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے سجدہ کرو تو
اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ	ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ یہ ابلیس جنات میں سے تھا اپنے
رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ	پروردگار کے حکم سے نکل بھاگا۔ تو کیا ہم کو چھوڑ کر ابلیس کو
مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا	اور اسکی نسل کو اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں

بہت برا بدلہ ہے ظالموں کیلئے

یہ قصہ اس سے پہلے متعدد سورتوں میں بار بار بیان ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس سورہ میں، اختلاف مقاصد ذکر کی بناپر قرآنی اسلوب کے مطابق اس قصہ کے اتنے ہی جزو کو بیان کیا گیا ہے جتنا، اس سورۃ میں، مقصدِ قصہ کے لحاظ سے مناسب تھا۔ لیکن مختلف اغراض کے ماتحت بار بار بیان ہونے کی وجہ سے، لوگ خود قرآن کے ذریعہ اس قصہ کی اکثر جزئیات سے واقف ہو چکے تھے اور کم از کم اتنے جزو کو تو بار بار سن چکے تھے جس کا ذکر اس سورہ میں موقع کے لحاظ سے ضروری تھا۔ کیونکہ وہ ایسی بات ہے جسکا ذکر بوجوہ اکثر سورتوں میں اجمال یا تفصیل کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لئے یہاں اس کی طرف

Scanned by CamScanner

صرف اشارہ کیا گیا اور تفصیل کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اس سورہ میں اس قصہ کے ذکر کی غرض بالکل واضح ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اکثر مفسرین نے اس کو متعین کرنے میں غلطی کی ہے۔ اس غلطی کی وجہ نظم کلام کو نظر انداز کر دینا ہے۔ بہت سے مفسرین جو قصوں کا ذکر بے غرض نہیں خیال کرتے، ان کے وجوہ ذکر متعین کرتے وقت نظم کلام کا پاس نہیں کرتے، اس لئے وہ عموماً غلطی کرتے ہیں، حالانکہ قصوں کے اغراض متعین کرنے کے لئے نظم کا خیال بہت ضروری ہے۔ جب تک ماقبل و مابعد کی تمام آیتوں کو پیش نظر رکھکر غور نہیں کیا جائیگا، غرض متعین کرنے میں ہمیشہ غلطی ہوگی۔ صرف ماقبل کی آیتوں کو پیش نظر رکھنا بھی کافی نہیں۔ بعد کی آیتیں بھی پیش نظر ہونی چاہئیں ورنہ غلطیوں کا احتمال باقی رہیگا۔ جن مفسرین نے اس سورہ میں قصہ کے قبل کی آیتیں محوظ رکھیں اور بعد کی آیتوں کا خیال نہیں کیا انھوں نے اس کی غرض تکبر کا انجام بد دکھانا قرار دیا ہے چنانچہ امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

> اس قصہ کی غرض بعینہ وہی ہے جو ماقبل کی آیتوں کی ہے۔ یعنی اس قصہ میں ان منکرین قریش کو جواب دیا گیا ہے جو اپنے مال وجاہ کے گھمنڈ میں فقرا مسلمین کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ شیطان کے قصہ سے ان پر یہ واضح کیا گیا کہ حسب و نسب یا مال وجاہ پر فخر کرنا شیطان کا شیوہ ہے تم کو اس سے بچنا چاہئے۔

لیکن یہ غرض قرار دینے کے بعد، قصہ کے بعد کی آیتیں بے جوڑ ہو جاتی ہیں۔ قصہ کے بعد سب سے پہلا جملہ یہ ہے:۔

أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي	کیا ہم کو چھوڑ کر ابلیس کو اور اسکی نسل کو دوست بناتے ہو
وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا	حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کے حق میں یہ بدلہ برا ہوا

اور اس کے بعد یہ آیتیں ہیں:۔

مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا

اور ہم ان کے اور ان کے بیچ میں [illegible]

میں نے آسمان و زمین کے پیدا کرتے وقت بلکہ خود شیاطین کے پیدا کرتے وقت بھی شیاطین کو اپنی مدد کے لئے نہیں بلایا اور میں وہ نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا قوت بازو بناتا اور جس دن خدا حکم دیگا کہ جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو بلاؤ سو یہ ان کو بلائیں گے مگر وہ ان کو جواب ہی نہ دینگے

ہر صاحب ذوق تسلیم کریگا کہ قصہ کے بعد جو پہلا جملہ ہے وہی درحقیقت قصہ کا مقصود اور نتیجہ ہے قرآن میں عموماً قصوں کے بعد ایک ایک دو دو آیتوں میں ان کے نتیجہ کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے یہاں بھی اس جملہ سے درحقیقت نتیجہ ہی کو واضح کرنا ہے۔ اب اگر فرض کر لیا جائے کہ یہاں اس قصہ کے ذکر کی غرض، تکبر کا انجام دکھلانا ہے تو بعد کے جملہ سے ربط اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب شیطان کو دوست اور مددگار بنانے کا مفہوم، اس کی خاص صفت تکبر کو اختیار کرنا قرار دیا جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کے ذریعہ تکبر کا انجام بد دکھا کر، مشرکین عرب کو اس جملہ سے شیطان کا شیوہ تکبر اختیار کرنے پر توبیخ کی ہے حالانکہ ایسی صورت میں شیطان کو دوست اور مددگار بنانے کا اصلی مفہوم باقی نہ رہیگا یا کم از کم اس کا مفہوم عام ایک خاص صورت میں مقید ہو جائیگا۔ و نیز اس صورت میں وھم لکم عدو بئس للظلمین بدلا کہنے کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

ہمارے نزدیک یہاں اس کے ذکر کا مقصد شیطان کی عداوت کو واضح کرنا ہے کہ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ اس کو تمہاری تکریم پر حسد ہوا، اس نے تمہارے باپ آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، ان کو جنت سے نکلوایا، اور وہی ہے جس نے بنو آدم کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ پس یہ تمہاری کتنی بڑی نادانی ہے کہ اپنے اس ازلی دشمن کو دوست بناتے ہو اور اس کے فریب میں آکر رسول کی سچی باتوں کا انکار کرتے ہو!

Scanned by CamScanner

اب غور کیجئے قصہ کی یہ غرض قرار دینے کے بعد اس کا تعلق ماقبل سے بھی ہو جاتا ہے اور مابعد سے بھی۔ اوپر کی آیتوں میں، مشرکین عرب کے استکبار و تمرد اور قیامت وغیرہ کے انکار کا بیان ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ گمراہیاں، شیطان کی فریب دہی کا نتیجہ تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی عداوت کا قصہ بیان کیا اور آیت افتتخذونہ الخ کے ذریعہ ان کو تنبیہ کر دی کہ اس پشتینی دشمن کی باتوں میں آکر اپنے کو ہلاک نہ کرو۔

یہاں پر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اگر من دونی وھم لکم عدو الخ کہے بغیر بھی جملہ ختم کر دیا جاتا تو توبیخ کا مقصد پورا ہو جاتا۔ لیکن اس اضافہ نے توبیخ کا زور بہت بڑھا دیا۔ شیطان کی ازلی عداوت کے بعد، اس کو دوست بنانا، خود ہی ایک زبردست حماقت ہے۔ لیکن جب شیطان کی دوستی اور اطاعت کی بنیاد، خدا کے انکار و نافرمانی پر قائم ہو جو ہمارا خالق اور پروردگار ہے، تو پھر اس سے بڑھ کر حماقت کا کوئی درجہ نہیں! یہاں من دونی اور بئس للظالمین بدلا کہنے کا مقصود، اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ اس کے بعد توبیخ کو اور زیادہ سخت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا

ہم نے آسمان اور زمین کے پیدا کرتے وقت بلکہ خود شیاطین کے پیدا کرتے وقت کبھی شیاطین کو اپنی مدد کے لئے نہیں بلایا اور ہم ایسے نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا قوت بازو بنائے۔

ماقبل کی آیتوں میں یہ فرمایا تھا کہ خدا کے بجائے شیطان جیسے ازلی دشمن کی اطاعت کرنا، بدترین حماقت ہے۔ اب اس آیت میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ عبادت و اطاعت کا مستحق خدا ہے۔ جس نے زمین و آسمان اور تمام کائنات کو پیدا کیا۔ نہ کہ شیطان اور اس کی ذریت جن کو خود اپنی پیدائش میں کچھ دخل نہیں۔[۵]

---

۵ آیت ما اشہدتہم الخ میں ہم کے مرجع کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے لیکن ابن جریر، ابن حیان اور بعض دوسرے مفسرین نے اس کا مرجع شیطان اور اس کی ذریت کو قرار دیا ہے۔ یہی رائے میرے نزدیک راجح ہے اس صورت میں یہاں اس آیت کا مقصود وہی ہوگا جو ہم نے بیان کیا۔ ابن جریر نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ ا-ث

Scanned by CamScanner

اب اس کے بعد یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس وقت تو تم لوگ شیطان کی اتباع میں اتنے سرگرم ہو لیکن جس وقت اس کی اعانت کے محتاج ہوگے وہ تمھارے کچھ کام نہ آئیگا:۔

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا

اور خدا جس دن حکم دیگا کہ جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو بلاؤ سو یہ ان کو بلائیں گے مگر وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے اور ان کے بیچ میں مرنیکا سامان کردیں گے۔

اس آیت میں میرے نزدیک "شرکاء" سے مراد شیطان اور اس کی ذریت ہے۔ ممکن ہے شیاطین پر شرکار کا اطلاق لوگوں کو کھٹکے۔ لیکن قرآن کی ایک سے زیادہ آیتوں میں شیاطین پر شرکار کا اطلاق ہوا ہے۔ سورہ انعام آیت ۱۳۸ میں ہے:۔

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ

اور اسی طرح بہتیرے مشرکین کو ان کے شریکوں نے ان کے اپنے بچے مار ڈالنے کو عمدہ کر دکھایا ہے۔ تاکہ ان کو ہلاکت میں ڈالدیں اور

نیز قرآن کے بہت سے اشارات سے واضح ہوتا ہے کہ جنوں کے اشرار کو شیاطین کہا جاتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ مشرکین عرب جنوں کو خدا کا شریک بناتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اس موقع پر کم از کم وہ آیت ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے جس میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن ملائکہ کہیں گے:۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ

بلکہ یہ لوگ جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر انھیں کے معتقد تھے۔

(سبا، آیت ۴۱)

پس ایسی صورت میں شیاطین پر شرکار کا اطلاق بہرحال صحیح ہوگا۔ سورہ انعام کی جو آیت اوپر مذکور ہے، وہاں بھی بعض قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ شرکا سے مراد جن ہی ہیں۔ اسی سورہ میں اس آیت سے کچھ پہلے یہ تصریح ہے:۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ

اور مشرکوں نے جنات کو خدا کا شریک بنا کھڑا کیا۔

اور پھر چند آیتوں کے بعد ذکر احوال قیامت کے ضمن میں جنوں کو مخاطب کر کے، ان پر بنو آدم کو گمراہ کرنیکا الزام لگایا گیا ہے :-

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ — اے گروہ جنات، بنی آدم میں سے تو تم نے اچھی بڑی جماعت اپنی طرف کر لی

ان قرینوں سے واضح ہوتا ہے کہ جو شرکا قتل اولاد جیسی معصیت کے باعث ہوتے تھے ان سے مراد جن ہی ہیں۔ غالباً سورہ کہف میں بھی قصہ کے بعد کی پہلی آیت "افتتخذونہ" الخ کا مقصود شیاطین یعنی جنات ہی کو معبود بنانے پر توبیخ ہے۔ جنوں ہی کے ایک فرد، ابلیس نے ان کے باپ کو دھوکا دیا تھا ان کو جنت سے نکلوایا تھا لیکن مشرکین عرب نے دشمن سمجھنے کے بجائے، اس کو اور اس کی ذریت کو خدا بنا لیا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ازلی دشمنی کے اظہار کے بعد ان کی الوہیت کی اس طرح نفی کی کہ ان کو زمین و آسمان کی خلقت میں کچھ دخل نہیں بلکہ یہ تو خود خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ بعینہ یہی تردید سورہ انعام میں بھی مذکور ہے :-

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ — اور مشرکوں نے جنات کو خدا کا شریک بنا ٹھہرا کیا حالانکہ خدا ہی نے جنات کو پیدا کیا

یہاں آیت ما اشہدتہم خلق السموات الخ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہاں اسی مفہوم کو زیادہ اختصار کے ساتھ وخلقہم (اور حال یہ ہے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے) سے ادا کر دیا گیا۔ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد، غور کیجئے تو یہ سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ خاص اس سورہ یعنی سورہ کہف میں، شیطان کے ذکر کے بعد وکان من الجن (جنوں میں سے ہے) کی تصریح کیوں کی گئی؟ یہ درحقیقت اشارہ ہے کہ آج تم خدا کے بجائے جنکی بوجہ عبادت کرتے ہو انھیں کا ایک فرد تھا جس نے تم کو جنت سے نکلوایا۔ تم کو تو انھیں اپنا دشمن سمجھکر ان سے دور رہنا چاہئے لیکن تعجب ہے کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر انہی کی عبادت میں مشغول ہو گئے ہو۔ بئس للظالمین بدلا۔

قصہ آدمؑ و شیطان سورہ طٰہٰ میں

مفسرین نے اس سورہ میں اس قصہ کے جو وجوہ بیان کئے ہیں

Scanned by CamScanner

ان میں سے ایک وجہ کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد، جسے کسی حد تک تاویل کر کے صحیح قرار دیا جاسکتا ہے، ہمیں سیاق و سباق کے اعتبار سے کوئی وجہ معقول نہیں معلوم ہوتی۔ مگر اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ جو لوگ تفصیل کے طالب ہوں وہ تفسیر کبیر کی طرف رجوع کریں۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے اپنی عادت کے مطابق تمام اقوال یکجا کر دئے ہیں، ان اقوال کا ضعف بادنیٰ تامل خود آپ پر واضح ہو جائیگا۔

یہاں یہ قصہ جس تعلق سے آیا ہے اسے سمجھنے کے لئے، پہلے سورہ کا عمود اور ماقبل کی آیتوں کا مطلب سمجھنا ضروری ہے۔

اس سورہ کو اگر غور سے پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا عمود، آنحضور صلعم کو صبر و تسلی کی تلقین ہے اسی لئے سورہ کی ابتدا ہی اس آیت سے ہوئی ہے:

طٰہٰ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی الخ — ہم نے تم پر قرآن اسلئے تو نازل نہیں کیا کہ تم اسکی وجہ سے مشقت اٹھاؤ

اور چند آیتوں کے بعد حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس قصہ میں آنحضور صلعم کے لئے بشارت اور منکرین کے لئے انذار ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو اگرچہ مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا لیکن فتح و کامیابی انہی کو نصیب ہوئی۔ اور فرعون کو اگرچہ اپنے سرو سامان اور زور و قوت پر بڑا گھمنڈ تھا لیکن انکار و نافرمانی کی وجہ سے غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔ و نیز اس قصہ میں تعجیل کی مذمت اور بے صبری پر ایک گونہ وعید بھی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت (۸۲ - ۸۶)۔

اس قصہ کے بعد جو آیتیں ہیں ان میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضور صلعم کو منکرین عذاب کی جلد بازی سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ قیامت کا دن قریب ہی ہے، اس دن یہ اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے۔ اس مناسبت سے یہاں قیامت کا تذکرہ ہوا اور پھر قیامت کے متعلق ان کے ایک استبعاد کے جواب اور بطور تخویف احوال قیامت کی قدرے تفصیل کے بعد، فرمایا:

وَکَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا وَّ صَرَّفۡنَا فِیۡہِ — ایسا ہی ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن اتارا ہے۔

Scanned by CamScanner

مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔

اور اس میں طرح طرح پر ڈراوے سنا دئے ہیں تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعہ سے ان کے دلوں میں ذکر پیدا ہو پس اللہ عالیشان اور حقیقی بادشاہ ہے اور وحی تمام ہونے سے قبل قرآن کیلیے جلدی نہ کرو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کر ہم نے آدم سے ایک عہد لیا تھا تو آدم اسے بھول گئے اور ہم نے ان کے ارادے میں استقلال نہ پایا۔

ان آیات کا یہاں مدعا کیا ہے؟ اور ان کا عمود سورہ یعنی صبر و تسلی سے کیا تعلق ہے؟ اس کو ذرا تفصیل سے سمجھ لیجئے کیونکہ اسی سے یہاں اس قصہ کے ذکر کی غرض بھی واضح ہوگی۔

استاذ امام علامہ فراہیؒ نے تفسیر سورہ قیامہ میں آیت "لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ" الخ پر بحث کرتے ہوئے، ایسی بصیرت افروز باتیں ارشاد فرمائی ہیں جن سے آیات مذکورہ بالا کا مفہوم سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ مولانا نے ضمناً اس قصہ کے تعلق کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ان آیات میں بھی آنحضور صلعم کے ایک خاص اضطراب کو دور کیا گیا ہے اور نہایت بہترین انداز میں آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ ابتداء وحی میں چونکہ لوگوں کی استعداد کم تھی اور وہ قرآن کی آیتیں سن کر بدکتے اور سخت برافروختہ ہوا کرتے تھے اس لئے اس وقت مصلحۃً قرآن کا نزول تھوڑا تھوڑا اور رک رک کے ہوتا تھا تاکہ ان کا غصہ و نفرت اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ قرآن کا سننا ہی ترک کر دیں۔ لیکن آنحضورؐ پر یہ تاخیر سخت بار ہوتی اور آپ خواہش کرتے کہ قرآن کے نزول میں تاخیر نہ ہو۔ اس خواہش کے متعدد وجوہ تھے۔

(۱) وہ وقت آپ کے لئے بڑا کٹھن تھا۔ ہر طرف سے مخالفتوں کا زور تھا۔ عرب کا ذرہ ذرہ آپ کی دشمنی پر آمادہ ہو چکا تھا۔ اس اضطراب و پریشانی کے عالم میں قرآن کا اترنا ہی آپکی تسکین کا باعث تھا۔

Scanned by CamScanner

(۲) آپ تکمیل شریعت اور اشاعت اسلام کے لئے بے چین رہتے تھے اس لئے خواہش کرتے کہ قرآن جلد جلد نازل ہو۔ آپ کو توقع تھی کہ آیات الٰہی، ممکن ہے ان کے اسلام لانے کا باعث بنیں۔

(۳) مشرکین کہا کرتے تھے :۔

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ان پر پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتار دیا گیا

ان کے جواب کے لئے آپ خواہش کرتے کہ قرآن جلد نازل ہو جائے۔ ممکن ہے وہ اعتراضات سے باز آئیں۔ اور دعوت ایمان قبول کرلیں۔

یہ اور اسی قسم کے اسباب تھے جن کی بنا پر آپ کی خواہش تھی کہ قرآن جلد جلد نازل ہو۔ اس لئے فترۃ وحی آپ پر سخت گراں گذرتا اور آپ پریشان ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف طریقوں سے آپ کی ان پریشانیوں کو دور کرنا چاہا ہے کہیں تو واضح کیا ہے کہ ان کا انکار و تمرد اس لئے نہیں ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہو رہا ہے بلکہ اس لئے ہے کہ قیامت کا یقین نہیں رکھتے :۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْاٰخِرَةَ

اب یہ کیوں نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں ... بلکہ ان کے تو یہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں تو یہ تو ہوتا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت ہی سے نہیں ڈرتے

اور کہیں حب دنیا اور نفع عاجل کو انکار کا سبب قرار دیا ہے (لا تحرک به لسانک لتعجل به... کلا بل تحبون العاجلۃ الخ) اور آنحضور صلعم کو جلد بازی سے منع فرمایا کہ انسان کی طبعی استعداد مقتضی ہے کہ اس کی اصلاح و تربیت میں تدریج ملحوظ ہو۔[۵]

سورہ طٰہٰ کی مذکورہ آیتوں کا مقصود بھی آپ کی انہی پریشانیوں کو دور کرنا ہے جو تاخیر کی

---

[۵] ملاحظہ ہو تفسیر سورہ قیامہ مصنفہ استاذ امام تفسیر آیت ولا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ الخ (ا۔ ش)

Scanned by CamScanner

بنا پر لاحق ہوتی تھیں، ان آیات میں آپ کو تعجیل سے اس بنا پر روکا گیا ہے کہ قرآن کا مقصود احداث ذکر ہے "او یحدث لہم ذکرا" اور اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن نجماً نجماً نازل ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان اپنے عزم کے اعتبار سے بہت کمزور ہے۔ اگر اس پر شریعت کا تمام بار ایک مرتبہ ڈال دیا جائے تو وہ گھبرا جائے گا۔ اور عزم انسانی کے ضعف کو نمایاں کرنے کے لئے حضرت آدمؑ کو مثال میں پیش کیا ولقد عہدنا الیٰ آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما۔

اور اس کے بعد پورا قصہ بیان کیا اور خصوصیت کے ساتھ یہ دکھلایا کہ باوجود اس کے کہ ہم نے آدم کو بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اگر اس کی باتوں میں آگئے تو جنت کی ان تمام نعمتوں سے محروم کر دیے جاؤ گے جو اس وقت تمہیں حاصل ہیں لیکن تمام تنبیہیں بیکار ثابت ہوئیں اور اپنے اس ازلی دشمن کی باتوں میں آ کر خدا کی نافرمانی کر بیٹھے۔

فَقُلْنَا یٰآدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ	تو ہم نے کہا اے آدم یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بی بی کا دشمن
فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ فَتَشْقٰی۔ اِنَّ لَکَ	ہے تو ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو بہشت سے نکلوا کر باہر کرے اور
اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُ	تمہاری شامت آجائے۔ یہاں نہ تم بھوکے رہتے ہو اور نہ ننگے
فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی فَوَسْوَسَ اِلَیْہِ الشَّیْطٰنُ	رہتے ہو اور یہاں نہ تم پیاسے ہوتے ہو اور نہ دھوپ میں رہتے ہو
.... وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی الخ	پھر شیطان نے آدم کو پھسلایا.... اور آدم نے اپنے پروردگار

اس تفصیل کے بعد غالباً واضح ہو گیا ہو گا کہ یہ قصہ یہاں کس غرض سے بیان کیا گیا ہے۔ اور قصہ سے قبل کی آیتوں کا عمود سورہ سے کیا تعلق ہے۔ لیکن یہاں حضرت آدمؑ کے قصہ میں ایک اور پہلو بھی نمایاں ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس سورہ کا عمود صبر و تسلی کی تلقین ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں تلقین صبر و تسلی کے لئے ان کے صبر کا انجام دکھایا گیا تھا اس کے بعد حضرت آدم کا قصہ بیان کیا گیا جو اگرچہ اصلاً یہاں انسانی ضعف پر استدلال کرنے کے لئے بیان ہوا ہے لیکن ضمناً اس میں

بے صبری کے انجام کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ گویا آنحضور صلعم کے لئے تنبیہ ہے۔ ایک سوال یہاں اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس سورہ میں اس قصہ کو ذکر کرنے کا مقصد عزم انسانی کے ضعف یا بے صبری کے انجام کو دکھانا تھا تو ان دونوں مقصدوں کا اظہار آیت ۱۲۱ یعنی "وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ" تک ہو جاتا ہے۔ بعد کی آیتیں جو

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ الخ

([illegible])

پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا اور ان کی توبہ قبول کی اور ان کو رستہ دکھایا اور کہا کہ تم دونوں بہشت سے نیچے اترجاؤ ایک کا دشمن ایک۔ پھر اگر تمھارے پاس ہماری طرف سے ہدایت

کیوں ذکر کی گئیں؟ یہ سوال گو اہمیت رکھتا ہے لیکن اس مضمون کے گذشتہ صفحات اگر پیش نظر ہوں تو یہ سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ ہم نے پچھلی سورتوں پر بحث کرتے ہوئے دکھلایا تھا کہ یہ قصہ مختلف سورتوں میں مختلف اغراض کے لئے بیان ہوا ہے لیکن قصہ کے آخر میں بعض ایسی باتیں بھی نمایاں کر دی گئی ہیں جن کو گو اصلی مقصود سے کوئی خاص تعلق نہ ہو لیکن عمود سورہ اور موضوع گفتگو سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی حال ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں بالاجمال سمجھ لیجئے کہ گذشتہ آیات کا مقصود اصلی گو تسلی رسول ہے لیکن ان میں منکرین کی تہدید بھی پوشیدہ ہے۔ بلکہ کہیں کہیں یہ تہدید نمایاں ہو گئی ہے۔ گویا ان آیات میں منکرین کو بالکل نظر انداز نہیں کر دیا گیا ہے۔ پس انہی کی مناسبت سے قصہ کی آخری آیتیں رکھدی گئی ہیں۔ ان آیتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گو بڑا گناہ کیا لیکن توبہ کے بعد اللہ نے ان کو اپنے دامن رحمت میں لے لیا۔ اگر تم بھی توبہ کرو تو ہماری رحمت میں داخل ہو سکتے ہو۔ اور بعد کی آیتوں میں یہ واضح کیا کہ آدم و شیطان کو دنیا میں یہ کہہ کر بھیجا گیا تھا:

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي

کہا تم دونوں بہشت سے نیچے اترجاؤ ایک کا دشمن ایک۔ پھر اگر تمھارے پاس ہماری طرف سے ہدایت آئے تو جو ہماری ہدایت پر چلے گا نہ بھٹکے گا اور نہ ہلاکت میں پڑے گا اور جس نے ہماری باتوں سے روگردانی

فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا الخ کی تو اس کی زندگی ضیق میں گذریگی۔

پس اگر تم لوگ شیطان کی عداوتوں کے باوجود اس کو اپنا دوست سمجھتے ہو اور خدا کی تنبیہوں کے بعد بھی رسولؐ کی باتوں سے اعراض کرتے ہو تو میں اپنے قول کے مطابق، دین و دنیا، دونوں جگہ تم کو رسوا کرونگا اور اس پر غضب جملہ پر اس بیان کو ختم کر دیتا ہے:-

کَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ یُؤۡمِنۡۢ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰی ۲۰ جو شخص حد سے بڑھ چلا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لایا ہم اسکو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ اور آخرت کا عذاب بہت ہی سخت

قرآن کا اعجاز ملاحظہ فرمایئے، ایک ہی قصہ سے کس مناسبت کے ساتھ مختلف چیزوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اس قصہ میں آپ کو اور بھی حقائق نظر آئیں گے۔

قصہ آدمؑ و شیطان سورہ صٓ میں

اس سورہ میں قصہ سے قبل جو ضمنی آیتیں، تمہید اور رسول کی صداقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آگئی ہیں، اگر ان کو الگ کر دیا جائے تو بقیہ تمام آیتیں، مضمون قیامت کے سلسلہ میں آجاتی ہیں۔ اس سورہ کی ابتدا اور پھر بعد کی آیتوں میں تصریح ہے کہ مشرکین، قیامت وغیرہ کا انکار، اپنی "عزت" و "شقاق" کی بناپر کرتے تھے، یہاں پر جو قصہ بیان کیا گیا تو انکار قیامت اور وجہ انکار، دونوں کو ملحوظ رکھا گیا۔ ایک طرف ان کی تنبیہ و عبرت کے لئے تکبر کے انجام کو واضح کر دیا گیا اور دوسری طرف ان کی تذکیر کے لئے تصریح کر دی گئی کہ آج تم جس قیامت کا انکار کر رہے ہو وہ وہی قیامت ہے جس کے آنے تک شیطان کو بنو آدم کو گمراہ کرنے کی مہلت دیدی گئی ہے۔

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ فرمایا ہاں تجھکو اس دن تک کی مہلت ہے جسکا وقت (ہم کو) معلوم ہے۔

اور یہی دن ہوگا جس دن کہ اللہ کا وہ قول پورا ہوگا جو شیطان سے فرمایا تھا:-

قَالَ فَالۡحَقُّ ۫ وَالۡحَقَّ اَقُوۡلُ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکَ فرمایا حق یہ ہے اور ہم حق ہی کہا کرتے ہیں کہ ہم بھی تجھ سے

Scanned by CamScanner

وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور جو لوگ تیری پیروی کریں ان سب سے جہنم بھر دیں گے

یہاں ان دونوں باتوں کے کہنے میں اشارہ ہے کہ شیطان تمھیں گمراہ کر رہا ہے اور تہدید ہے کہ بوجہ اتباع شیطان تم جہنم میں ڈالے جاؤ گے آخر میں فرمادیا کہ اگر نہیں مانتے ہو تو جاؤ ولتعلمن نباہ بعد حین

خلاصہ مباحث ابتدار مضمون میں جو کچھ کہا گیا ہے، اسے سامنے رکھئے، میں نے دعوی کیا تھا کہ قرآن میں کوئی بات مکرر نہیں۔ جو باتیں بظاہر مکرر نظر آتی ہیں وہ بھی اپنی جگہ اپنے مخصوص مفہوم کے اعتبار سے مستقل اور نئی ہیں تکرار کی میں نے دو قسمیں، الفاظ کی تکرار، معانی کی تکرار، قرار دی تھیں اور دونوں قسموں کا جواب دیا تھا مگر چونکہ قرآن میں بعض قصوں کے بار بار آنے کی وجہ سے، ذہن ان کی تکرار کی طرف منتقل ہوتا ہے اس لئے میں نے اس خیال کو دفع کرنے کے لئے، قرآن کا وہ قصہ بحث کے لئے منتخب کیا جس کا اعادہ غالباً تمام قصوں سے زیادہ ہوا ہے۔

ان قصوں کے متعلق میرا دعوی ہے کہ گو وہ بار بار بیان ہوئے ہیں، لیکن ہر جگہ نئی غرض کے لئے ہیں، گذشتہ صفحات اگر پیش نظر ہیں تو آپ اس اعتراف میں تامل نہیں کر سکتے کہ قصہ آدم و شیطان سات بار مذکور ہونے کے باوجود ہر سورہ میں کسی نئے مقصد کے لئے بیان ہوا ہے۔ ضمنی اشارات میں ممکن ہے کہ وہ ایک سورتوں کا باہم اشتراک ہو جائے لیکن ذکر کے اصلی اغراض تمام سورتوں کے ایک دوسرے سے متبائن ہیں، سہولت کے لئے یہاں ہر سورہ میں قصہ کا اصلی مقصد ذکر الگ الگ بیان کر دیتا ہوں

(۱)	سورہ بقرہ	اثبات نبوت وخلافت
(۲)	سورہ اعراف	بیان تکریم آدم بسلسلہ ذکر انعامات برائے دعوت شکر
(۳)	سورہ حجر	اثبات معاد
(۴)	سورہ اسراء	طغیان کا انجام
(۵)	سورہ کہف	شیطان کی عداوت

Scanned by CamScanner

(۶) سورہ طٰہٰ — عزم انسانی کا ضعف

(۷) سورہ ص — ثبوت قیامت ضمناً مشرکین کے تکبر پر تعریض،

ان تمام سورتوں میں یہ قصہ بیان ہوا ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ اس کے ذکر کا مقصد دوسری جگہ سے الگ ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو شبہ ہو کہ سورہ حجر اور سورہ ص دونوں جگہ یہ قصہ معاد ہی کے لئے آیا ہے اس لئے مکرر ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں، یہ صحیح ہے کہ دونوں سورتوں میں ذکر قیامت ہی کے سلسلہ میں یہ قصہ بیان ہوا ہے۔ لیکن دونوں جگہ دو نوعیتوں سے مذکور ہے۔ سورہ حجر میں سڑی گلی مٹی سے آدم کو پیدا کر دینے سے، دوبارہ پیدا کرنے پر دلیل پیش کی گئی ہے اور سورہ ص میں شیطان کا ماجرا اور اس کی وہ گفتگو نقل کی گئی ہے جو ذکر قیامت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے منکرین قیامت کی تذکیر و تنبیہہ کا کام دیتی ہے۔

میں نے ابتدائے مضمون میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان قصوں پر دو پہلو سے غور کرنا ہے۔ ایک ان کے ذکر کے اغراض کو متعین کرنا ہے، دوسرے ان کے اسالیب بیان کا اختلاف اور اس کے وجوہ دکھانے ہیں۔ لیکن پہلی ہی بحث نے مضمون کو اس قدر طویل بنا دیا کہ اس صحبت میں دوسرے پہلو پر بحث کرنا ناظرین پر شاق ہوگا۔

اس قصہ کو اگر آپ ان ساتوں سورتوں میں ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو نظر آئیگا کہ ہر سورہ کی عبارت اور اسلوب، ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اس اختلاف کی وجہ، ان کے مقاصد ذکر کا اختلاف ہی ہے لیکن جب آپ ایک ایک ٹکڑے کو لیکر مقصد سے مطابقت دینے لگیں گے اور دوسری سورتوں سے مقابلہ کرینگے تو اس ضمن میں آپ کو بڑے حقائق نظر آئیں گے۔ سورہ کہف میں "کان من الجن" کہنے کی توجیہ، سورہ حجر میں حمأ مسنون کی تصریح کی تعلیل میں اور بعض دوسری سورتوں میں جابجا میں نے اختلاف اسلوب و عبارت اور اس کے وجوہ کی طرف اشارے کئے ہیں لیکن انشاءاللہ اس کے متعلق اپنے خیالات، ایک الگ عنوان "اسالیب قرآن" کے ماتحت مفصل بیان کروں گا۔

مذاکرہ

آیت وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ الآیہ

کی

صحیح تاویل

از جناب مولوی حافظ عبدالاحد صاحب اصلاحی

ایک علم دوست برما سے لکھتے ہیں :-

"سورہ زخرف کی آیت ۶۱ وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا[1] کی صحیح تاویل کیا ہے۔ اس کے متعلق بعض تفسیر کی کتابوں میں جو کچھ ہے اس سے واقف ہوں، بعض اہل علم سے مبادلہ خیال بھی کر چکا ہوں۔ براہ کرم الاصلاح کے صفحات میں تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیے۔"

آیت مذکورہ بالا میں فی نفسہ کوئی اہم اشکال نہیں ہے۔ اس میں اشکال اس روایت سے پیدا کر دیا گیا ہے جو بعض کتب تفسیر میں مذکور ہے اور جس کی روشنی میں اس آیت کی تاویل کیجاتی ہے۔ روایت یہ ہے۔

ان عیسی علیہ السلام ینزل علی ثنیۃ	حضرت عیسی علیہ السلام ارض مقدس میں ایک گھاٹی
بالارض المقدسۃ یقال لہا افیق	کے پاس نزول فرمائیں گے جس کا نام افیق ہے۔ ان کا لباس
وعلیہ ممصرتان وشعر راسہ دھین	گیروے رنگ کا ہوگا سر کے بال ایسے ہوں گے گویا
وبیدہ حربۃ وبہا یقتل الدجال	تیل ملا ہے۔ ہاتھ میں نیزہ ہوگا جس سے دجال کو قتل

[1] وہ (حضرت عیسی) قیامت کے نشان ہیں سو (اے پیغمبر لوگوں سے کہدو) تم لوگ (قیامت کے آنے) میں شک نہ کرو۔

Scanned by CamScanner

فیاتی بیت المقدس والناس فی	کریں گے۔ پھر بیت المقدس میں تشریف لائیں گے اور
صلوٰۃ الصبح الخ	لوگ امام کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتے ہوں گے الخ

اس حدیث میں قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ نزول کی خبر دی گئی ہے اور حدیثوں میں بتلایا گیا ہے کہ ان کا دنیا میں ظہور منجملہ علامات قیامت کے ہے۔ مفسرین نے آیت کی تاویل یہی حدیث پیش نظر رکھکر کردی ہے چنانچہ علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔ "وانہ لعلم" ای ان عیسیٰ علیہ السلام شرط من اشراط الساعۃ تعلم بہ الخ۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ ظہور قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، چونکہ ان کے ظہور سے قیامت کا علم ہوگا اس لئے شرط کو علم سے تعبیر کیا گیا۔

علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔

ان عیسیٰؑ ظہورہ علم یعلم	حضرت عیسیٰؑ کے ظہور سے ظہور قیامت کا علم ہوگا کیونکہ
بہ مجئ الساعۃ لان ظہورہ	ان کا نزول قیامت کے علامات و شرائط
من اشراطھا ونزولہ الی الارض	میں سے ہے۔ ....
دلیل علی فناء الدنیا واقبال الاخرۃ	....

حضرت امام حسن بصریؒ کے سوا تقریباً تمام مفسرین نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور اس کو قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور سے متعلق مانا ہے۔ امام موصوف کے نزدیک "انہ" میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ تفسیر یوں فرماتے ہیں" یہ قرآن سراسر علم قیامت ہے۔ یعنی اس میں قیامت کے دلائل قیامت اور منکرین قیامت کے جوابات کی تفصیل ہے۔ چونکہ قرآن پاک کے ذریعہ قیامت کا علم ہوا اس لئے خود قرآن کو علم کہدیا۔"

امام موصوف نے آیت کی جو تفسیر فرمائی ہے اس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ

Scanned by CamScanner

روایت کو نظر انداز کرکے آیت کی تفسیر و تاویل ممکن ہے۔ ہمارے نزدیک امام موصوف کی تاویل خود سیاق کلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیت کے آگے اور پیچھے حضرت عیسی علیہ السلام کا ذکر ہے۔ بیچ میں ابلاغ قرآن کے ذکر کا کیا موقع تھا؟ آیت ۵۷ "ولما ضرب ابن مریم" الخ سے آیت ۶۴ تک حضرت عیسیٰؑ کا بیان مسلسل ہے۔ اس کے بیچ میں آیت اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ ہے اس میں تین ضمیریں ہیں اور تینوں کا مرجع حضرت عیسی علیہ السلام ہیں۔ آیت زیر بحث اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس لئے "انہ" کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہی کو ماننا پڑیگا ورنہ سیاق کلام کی مخالفت کے ساتھ انتشار ضمیر لازم آئے گا، جو ایک بلیغ کلام کے لئے، بلا کسی خاص وجہ کے عیب ہے۔ اس سلسلہ بیان میں قرآن پاک کیطرف کوئی اشارہ بھی نہیں ہے چنانچہ باقی تمام مفسرین کے نزدیک "انہ" میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ ضمیر کے مرجع کی تعیین میں مفسرین نے نظم کلام کی پوری رعایت ملحوظ رکھی ہے مگر تعجب ہے، کہ آیت کی تاویل میں سیاق و سباق کا سررشتہ چھوڑ کر روایت کیطرف جھک گئے نتیجہ یہ ہوا کہ آیت حضرت عیسیٰؑ کے قبل از قیامت نزول سے متعلق ہوگئی۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ آیت مذکورہ حضرت عیسیٰؑ کی گذشتہ زندگی سے متعلق ہے۔ اور ان کی خارق عادت پیدائش، ان کے معجزات اور اعمال نبوت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

ہم حدیث کی تردید نہیں کرتے۔ وہ اپنے مقام پر صحیح ہے۔ اس کا محل یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی آئندہ زندگی اور آمد سے متعلق کی جائے کیونکہ اسمیں تصریح ہے کہ دنیا میں حضرت عیسیٰؑ کا ظہور قیامت سے پہلے ہوگا۔ یہ بات مستقبل سے متعلق ہے۔ حال کے لئے اس میں دلیل اور علم کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ منکرین قیامت کو قیامت پر تاریخی اور بدیہی شہادت مطلوب ہے۔ ان کے لئے حضرت عیسیٰؑ کا آئندہ ظہور کیا حجت ہو سکتا ہے؟ پس آیت مذکورہ میں حضرت مسیحؑ کی گذشتہ زندگی سے قیامت اور مردوں کے جی اٹھنے پر ایک تاریخی اور بدیہی شہادت پیش کی گئی ہے۔ اس کا تعلق مستقبل سے کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

ماضی و مستقبل دو مختلف زمانے ہیں، جب دونوں کو ایک کرنے کی کوشش کی جائیگی، اشکال پیدا

ہوگا۔ اس لئے آیت کی تفسیر اس حدیث کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔ البتہ حدیث اپنی جگہ پر صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے۔

اس اجمالی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ضمیر کا مرجع حضرت مسیحؑ ہیں نہ کہ قرآن نیز یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی کہ حدیث مذکور کی روشنی میں آیت کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

کسی آیت کی تاویل میں مندرجہ ذیل باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

۱۔ نظم کلام اور سیاق و سباق کی رعایت

۲۔ آیات مماثل کی تائید۔

۳۔ صحیح حدیثوں کی تائید۔

۴۔ مفہوم کی بلندی اور خوبی کا لحاظ۔

ان اصولوں کے ماتحت جب آیت مذکورہ پر غور کیا جائیگا، اسکی صحیح تاویل وہی ہوگی جس کی طرف اس سے پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے۔ اس اجمال کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے۔

(۱) مشرکین، قیامت کا انکار کر رہے تھے ان کے انکار کی بنیاد یہ عام خیال تھا کہ مرجانے کے بعد انسان دوبارہ کیسے زندہ ہوسکتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا" "بیشک وہ (حضرت عیسیٰؑ) قیامت کی دلیل ہے پس قیامت کے واقع ہونے میں شک نہ کرو"۔ اس میں استدلال کا پہلو یہ ہے کہ اگر قیامت کے انکار کی بنیاد یہ ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کا از سر نو پیدا ہونا فطرت کے عام قانون کے خلاف ہے تو اس کی شہادت حضرت عیسیٰؑ کی خلاف قانونِ فطرت پیدائش اور ان کے ان معجزات میں موجود ہے جو احیاءِ موتیٰ سے متعلق ہیں۔ آیت مذکورہ کا یہ مفہوم نظم کلام کے بالکل مطابق ہے۔ سورۃ الزخرف جس میں زیر نظر آیت وارد ہے، توحید، اثبات قرآن اور قیامت

Scanned by CamScanner

کے بیان پر مشتمل ہے۔ خطاب یوں تو عام مشرکین سے ہے لیکن روئے سخن زیادہ تر اس جماعت کی طرف ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتی تھی۔ اور ان کی الوہیت کی قائل تھی۔ چنانچہ آیت ۹ سے ۲۵ تک یہ تصریحات توحید و معاد کے بیان کے سلسلہ میں موجود ہیں۔ پھر آیت ۵۶ تک یہ وضاحت کی گئی ہے کہ قانون الٰہی کی خلاف ورزی کرنے والی قوموں سے دنیا میں انتقام لیا گیا ہے، ان مشرکین سے بھی انتقام لیا جائیگا۔ اور اس عذاب دنیوی کو عذاب اخروی کے لئے مثال ٹھہرایا۔ اس تفصیل کے بعد آیت ۵۷ "ولما ضرب ابن مریم" الخ سے مشرکین کے اعمال و معتقدات کی تردید کا مضمون شروع ہوتا ہے جس کا سلسلہ آیت ۶۷ تک جاتا ہے چونکہ مشرکین اور نصاریٰ دونوں کے شرک کی نوعیت بعض اعتبارات سے ایک تھی۔ یہ ابن مریم کو خدا کا بیٹا کہتے تھے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بناتے تھے اس بنا پر حضرت مسیحؑ کے ذکر سے مشرکین کی تردید شروع کی کہ بیک وقت دونوں کے اعمال و معتقدات کا رد ہو سکے۔ پھر حضرت مسیحؑ کے ذکر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مشرکین، جو فرشتوں کی الوہیت کے قائل تھے، اپنے مشرکانہ اعمال و معتقدات کے جواز میں از راہ بحث و جدال نصاریٰ کے اعمال و عقائد پیش کرتے تھے کہ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں اور شریک خدا ٹھہراتے ہیں جن کی نسبت خدا کی نسبت کے ساتھ ساتھ، انسان کی طرف بھی ہے کیونکہ انسان ہیں اور ہم تو ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں بناتے ہیں جو ہر نوع حضرت عیسیٰؑ سے بڑھکر ہیں کیونکہ ان کی نسبت محض اللہ کی طرف ہے علاوہ ازیں ایک تیسرا پہلو یہ ہے کہ مشرکین قیامت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ آج تک مردوں کے جی اٹھنے کی کوئی شہادت دنیا میں نہیں پائی گئی اور نہ ایسا ممکن ہے کیونکہ یہ عالم اسباب کے عام قانون کے بالکل خلاف ہے کہ انسان سڑگل جانے کے بعد پھر زندہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو مثال میں پیش کیا کہ ان کی پیدائش عالم اسباب کے عام قانون کے بالکل خلاف ہے۔ اسلئے قیامت کے دن مردوں کا جی اٹھنا ذرا بھی مستبعد نہیں اب ان تفصیلات کی روشنی میں آیات ذیل پر غور کیجئے۔

Scanned by CamScanner

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ـ وَقَالُوْآ ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ

اے پیغمبر جب مریم کے بیٹے (مسیح) کی مثال بیان کی گئی تو تیری قوم سے (سنکر) کھلکھلا پڑی اور لگی کہنے کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ ان لوگوں نے عیسیٰ کی مثال جو تمہارے سامنے (بیچ میں) لا ڈالی ہے سو جھگڑنے کو، بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں جھگڑالو

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جب حضرت عیسیٰؑ کا ذکر اچھے لفظوں میں ہوتا ہے تو مشرکین جو بات بات پر لڑنا چاہتے ہیں بحث شروع کر دیتے ہیں کہ ان سے اچھے تو ہمارے معبود ہیں کہ وہ خدا کی چہیتی بیٹیاں ہیں ۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ کی تعریف سے قرآن کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں بلکہ قرآن ان کے فرمانبردار اور مطیع بندے ہونیکا ذکر کرتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا لیکن مشرکین ان کی تعریف کو ان کی الوہیت کے اعتراف کے معنی میں لیکر فضول اور دور از کار بحثیں کھڑی کر دیتے ہیں چنانچہ فرمایا :۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

(سورۃ زخرف ع ۶)

وہ (عیسیٰ) بس ایک بندہ تھے کہ ہم نے ان پر فضل کیا تھا اور بنی اسرائیل کے واسطے نمونہ بنایا اور ہم چاہتے تو تم ہی سے فرشتے (پیدا کرتے) کہ وہ زمین میں تمہاری جگہ بستے اور وہ (عیسیٰ) قیامت کی دلیل ہیں سو اس میں شک نہ کرو اور میرا

ان آیات میں تصریح کر دی ہے کہ وہ خدا کے ایک منعم علیہ بندے ہیں اور بنی اسرائیل کے لئے وہ ایک قیامت کی نشانی تھے ۔ پس قیامت کے بارہ میں شک نہ کرو ۔ مضامین کا یہ سلسلہ متقاضی ہے کہ انہ کی ضمیر کے مرجع حضرت عیسیٰؑ ہوں اور ان کی پیدائش جو عالم اسباب کے عام قانون کے خلاف ہے قیامت کی نشانی ہے ۔

مماثل آیات سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے ۔ مثلاً

Scanned by CamScanner

وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ — ہم نے مریم اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو عالم کیلئے (قیامت کی)
سورۃ الانبیاء آیت ۹۱ — دلیل ٹھہرایا۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً — ہم نے ابن مریم اور مریم کو اپنی قدرت کی نشانی ٹھہرایا
. . . . — (کہ مردوں کو بغیر ظاہر اسباب کے قیامت کے دن زندہ کردیں
. . . . (سورۃ المومنون آیت ۵۰) — جسطرح اسباب ظاہر کے خلاف بن باپ کے مسیح کو پیدا کیا)

وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ (سورۃ الزخرف) — ہم نے عیسیٰ کو بنی اسرائیل کے لئے (قیامت پر) دلیل ٹھہرایا

۳- اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ اسلئے کسی ایسی حدیث کو آیت کی مفسر ماننا جو نظم کلام کے خلاف ہے اور آیت سے غیر متعلق ہے کسی طرح درست نہیں ہے۔

۴- ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ یہ آیت منکرین قیامت کے شبہہ کا جواب ہے پس موقع و محل کا تقاضا یہ ہے کہ جواب کا ایسا اسلوب اختیار کیا جائے جو حالات کے لحاظ سے موزوں ہو مشرکین قیامت کو مستبعد خیال کرتے تھے کہ مردوں کا دوبارہ جی اٹھنا اس عالم اسباب کے عام قانون کے بالکل خلاف ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی پیدائش اور ان کے معجزات کو جن سے اہل عرب نصاریٰ کے میل جول کی وجہ سے ایک حد تک واقف تھے، حجت میں پیش کیا۔ اگر آیت کا مفہوم یہ مان لیا جائے کہ حضرت مسیحؑ دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے جس سے وقوع قیامت کا علم ہوگا تو مشرکین کے شبہہ کا جواب باقی رہتا ہے۔ کیونکہ آئندہ ہونے والے واقعات اولاً تو حال کے ایک شبہہ کو رفع نہیں کر سکتے دوسرے مستقبل میں قیامت خود اپنے وقوع کی دلیل ہے کسی اور دلیل کی محتاج نہیں اس صورت میں یہ جواب سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مصداق ہوگا۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں جن میں ایک قول ہماری تاویل کے موافق ہے لیکن اس کو "قیل" کے ساتھ نقل کیا ہے۔

موعظۂ حسنہ

نماز

۵

از

امین احسن اصلاحی

ایک شبہہ کا جواب ممکن ہے کسی کے دل میں یہ شبہہ پیدا ہو کہ جب سیادت و حکومت کا حصول نماز کے قیام پر منحصر ہے تو چاہیئے کہ وہ قومیں اس نعمت سے محروم رہیں جن کے اندر نماز مفقود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ حکومت کی دو قسمیں ہیں ایک خلافت الٰہیہ دوسری حکومت و پادشاہی خلافت الٰہیہ میں خدا کا قانون فرمانروا ہوتا ہے۔ انسانوں کی مرضی و خواہش کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کا قانون آسمان سے بنکر آتا ہے اور تمام زمین کے لئے یکساں اور عام ہوتا ہے۔ اس میں رنگ اور خون کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ خدا کے سورج کی طرح اس کی فیض رسانی تمام مخلوق کے لئے ہوتی ہے۔ اس میں آزادی اور مساوات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر خلیفۂ وقت بھی کوئی ایسی بات کہے، جو خدا کے حکم کے مخالف نظر آئے تو ایک بڑھیا کو بھی حق پہنچتا ہے کہ علانیہ اس کو ٹوک دے۔ کیونکہ خلافت الٰہیہ میں، زمین والوں کو صرف تنفیذ کا حق ہے۔ کوئی نیا قانون گڑھنے کا اختیار نہیں ہے۔ قانون صرف خدا بناتا ہے۔ اگر کوئی ایسی بات پیش آن پڑے جس کے متعلق آسمانی قانون کے اندر کوئی صاف رہنمائی موجود نہیں ہے تو اس ایک معصوم وجود کے اقوال و اعمال کو دیکھیں گے جو آسمانی قانون کا اولین حامل رہا ہے۔ اگر اس میں بھی کوئی صاف اور صریح رہنمائی موجود نہ ہو تو ادنیٰ درجہ میں اس کے اشارات پر چلیں گے یا اجماع کی پیروی کریں گے مگر یہ نہیں کریں گے کہ کوئی بات اپنے جی سے گڑھ لیں۔

Scanned by CamScanner

اس کی بہترین مثال خلافت راشدہ کا دور ہے۔ ایسی سیادت وحکومت کے حصول اور بقا کیلئے قیام نماز اولین شرط ہے۔ یہ نماز ہی سے وجود میں آتی ہے اور نماز ہی سے باقی رہتی ہے۔ نماز سے اس کو اس درجہ قریبی علاقہ ہے کہ جو شخص نمازوں میں ہمارا امام ہو سکتا ہے وہ بے تکلف اس آسمانی جمہوریت کا پریسیڈنٹ بھی ہو سکتا ہے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق کے استحقاق خلافت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جس کو رسول اللہ صلعم نے ہماری دینی پیشوائی کے لئے چنا کیا اسکو ہم اپنی دنیاوی سیاست کے لئے نہیں انتخاب کر سکتے؟"

دنیا میں امت مرحومہ کا اصلی فریضہ قیام نماز ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولین دعا میں فرمایا تھا "اے پروردگار تاکہ یہ نماز قایم کریں" اور بعینہ یہی حقیقت اس آیت میں دہرائی گئی ہے، جو اوپر گذر چکی ہے اور جس کا مضمون یہ ہے "کہ اگر ہم مسلمانوں کو زمین میں غلبہ اور اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دینگے"۔ پس خلافت الٰہیہ کا اصلی اور بنیادی مقصد قیام نماز ہوا اس لئے جو شخص تمام مسلمانوں میں اس قابل گنا گیا کہ ان کی نمازوں میں ان کی امامت کرے وہ یقیناً اس قابل بھی ہے کہ ان کے تمام امور دنیاوی کا انتظام بھی کرے۔

نماز اپنے باطن میں جس طرح دین کی تمام بنیادی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اسی طرح اپنے ظاہر میں دین کے پورے نظام اور خلافت الٰہیہ کے تمام اساسی مقاصد واغراض کا خاکہ ہے۔ یعنی اگر ایک شخص یہ جاننا چاہے کہ خلافت الٰہیہ کیا ہے؟ اس کی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل کیونکر ہے؟ اس کے قانون کا سرچشمہ کہاں ہے؟ دنیا میں اس کے قیام کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ اس میں امیر و مامور کے حدود واختیارات کیا کیا ہیں؟ تو ان امور کے جاننے کے لیے وہ اس بات کا محتاج نہ ہوگا کہ اسلام کے پورے دستور کا مطالعہ کرے۔ بلکہ وہ کسی گاؤں کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد میں جاکر مسلمانوں کی نماز کی صفیں دیکھ لے۔ دیدۂ بینا ہو تو اس ایک ہی چیز کے اندر وہ سب کچھ پائیگی جو ہزاروں صفحات میں بیان نہیں ہو سکتا۔ ہم نے اپنے مضمون کو صرف باطن نماز سے متعلق رکھا ہے ورنہ ہم دکھاتے کہ نماز کی ظاہری شکل و ہیئت ہمارے پورے نظام ملی اور ہماری ہیئت اجتماعیہ کی کتنی مکمل اور خوبصورت تصویر ہے۔

Scanned by CamScanner

یہی نکتہ ہے کہ مسلمانوں کے فرض اجتماعی یعنی شہادت کے لئے قیام نماز کو ضروری قرار دیا گیا۔ مسلمانوں کا فرض اجتماعی قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے۔

كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا	اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا کہ تم لوگوں پر گواہی دو اور رسول تم پر گواہی دے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور سورہ حج کی آخری آیات میں اس فریضہ کی ادائگی کیلئے اقامت نماز کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (۸۔ حج)	تا کہ رسول تم پر گواہی دے اور تم لوگوں پر گواہی دو پس نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ و دعوت کی جو ذمہ داری پیغمبر پر عاید ہوتی ہے، وہ ذمہ داری پیغمبر کے بعد خلافت الٰہیہ کی شکل میں امت پر منتقل ہو جاتی ہے، اور امت کے لئے اس فرض کی ادائی کے ادا کرنے کی راہ اقامت نماز اور ایتاء زکوۃ ہے یعنی اگر امت نماز اور زکوۃ کو ان کے تمام شرائط و آداب کے ساتھ قائم رکھے تو گویا اس نے اپنے فرض منصبی یعنی "شہادت علی الناس" کو ادا کیا، جس کے بعد وہ دنیا میں باقی رہنے اور پیغمبر کی وراثت سے سرفراز ہونے کی مستحق ہے لیکن اگر وہ نماز کو ضائع کر دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے خلافت الٰہیہ کے اس بنیادی مقصد کو ضائع کر دیا جس کے بعد اس کے باقی رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں دین و دنیا کے تمام امور مہمہ کا مرکز مسجد ہی تھی اور خلیفہ وقت کے اولین فرایض میں سے یہ بات تھی کہ وہ پنجوقتہ نمازوں میں مسلمانوں کی امامت کرے کیونکہ جس خلافت الٰہیہ کا وہ امیر ہوتا تھا اس کا پہلا مقصد ہی یہی تھا کہ دنیا میں نماز قائم ہو اور نماز کی شکل میں خدا کی اس آخری دعوت کی شہادت دیجائے جس میں دنیا کی نجات کا راز مضمر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نماز کی امامت کیلئے

سب سے زیادہ موزوں شخصیت خلیفۂ وقت کی ذات ہو سکتی تھی چنانچہ جب تک مسلمانوں میں نماز کی یہ اہمیت و عظمت معروف رہی اس وقت تک امامت کی خدمت خلفاء اسلام ہی انجام دیتے رہے۔ لیکن آہستہ آہستہ جب دین کی حقیقت اور اسی کے ساتھ ساتھ، نماز کی عظمت مجہول ہو گئی، اور دنیا پرست امراء مسلمانوں کے فرمانروا ہوئے، انھوں نے مسجدوں اور جماعتوں کی حاضری ترک کر دی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ درد انگیز زمانہ آگیا کہ آج دنیا کے ہر کام کیلئے اہلیت و صلاحیت کا سوال ہوتا ہے لیکن نمازوں میں امامت کیلئے گویا کسی اہلیت و صلاحیت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

دوسری چیز حکومت و بادشاہی ہے۔ بادشاہی کا سرچشمہ نماز نہیں بلکہ عصبیت ہے۔ عصبیتیں مختلف ہیں۔ خون کی عصبیت، رنگ کی عصبیت، سرزمین اور وطن کی عصبیت، وغیرہ وغیرہ۔ نسل اور خون، رنگ اور سرزمین زبان اور تمدن میں سے کوئی چیز انسانوں کی کسی جماعت اور گروہ میں اجتماع اور ائتلاف کی وہ حالت پیدا کر دیتی ہے۔ جس سے حکومت کی ایک شکل قائم ہو جاتی ہے۔ یہ حکومت رنگ و نسل کے امتیازات پر قائم ہوتی ہے اس لئے عدل الٰہی سے یکسر خالی ہوتی ہے۔ اس کے تمام فوائد انسانوں کے ایک مخصوص گروہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی بہتر سے بہتر شکل بھی انسانیت کے لئے عذاب اور لعنت ہے۔ موجودہ زمانہ کی تمام حکومتیں اسی عصبیت کے کے ذریعہ وجود میں آئی ہیں اس لئے ان کی حالت یہ ہے کہ یہ گویا علیحدہ علیحدہ ڈاکوؤں کے جتھے ہیں اور ہر جتھہ صرف موقع اور فرصت کی تلاش میں ہے۔

اس طرح کی حکومت یا حکومتیں دنیا کے امن کے لئے سب سے بڑی مصیبت اور خدا کی مرضی کے خلاف ہیں۔ اسلام میں رنگ و نسل کی عصبیت کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں عدل و احسان کی ایک ہمہ گیر عصبیت قائم کی گئی ہے جو ان تمام تنگ نظریوں سے ماوراء ہے

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا تعلق باطن نماز سے ہے ظاہر نماز پر ہم نے کچھ نہیں لکھا ہے بلکہ باطن نماز کے بھی صرف ان گوشوں پر نگاہ ڈالی جا سکی ہے جو بہت نمایاں تھے لیکن بحث بہت طویل ہو گئی اس لئے اب ختم کی جاتی ہے۔

انشاء اللہ کسی دوسری فرصت میں اس کے دوسرے اطراف و جوانب بحث میں آئیں گے۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

Scanned by CamScanner

مقالات

حلیمۂ نجدیہ۔

از جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

آج سے بارہ سال پہلے جب نجدیوں نے شریف حسین کے تسلط سے ارض حرم کو پاک کیا تھا، ہندوستان میں انکی تاریخ کی مانگ ہوئی تھی۔ اسوقت میں نے تاریخ نجد لکھکر شائع کی تھی جو اردو زبان میں وہابی تحریک کی پہلی اور صحیح تاریخ ہے۔ ہرچند کہ میں ابتدا سے ان کے حالات کا مطالعہ کرتا چلا آتا تھا مگر اس کتاب کے لکھنے کے بعد سے ان کی تاریخ میرا دلچسپ موضوع ہے۔ اس درمیان میں مصر اور شام سے ان کے متعلق متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں جن سے میرے علم میں اضافہ ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس تاریخ کے طبع ثانی میں اسکو شامل کرسکوں گا۔ ان جدید معلومات میں سے ایک دلکش واقعہ ناظرین الاصلاح کے لئے سپرد قلم کرتا ہوں۔

تمہید کے طور پر پہلے یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ نجدیوں کو جس نے مغلوب کیا تھا وہ محمد علی پاشا خدیو مصر اور اس کا فرزند ابراہیم پاشا تھا جو اپنے وقت کا بے نظیر سپہ سالار تھا۔ ان باپ بیٹوں نے ترکی سلطان محمود ثانی کے حکم سے نجدیوں کو تباہ کیا تھا۔ قدرت کا انتقام دیکھیے کہ اس کے بعد انھیں دونوں نے خود سلطان مذکور سے جنگ شروع کی۔ ابراہیم پاشا سلسلہ وار ترکوں کو شکست دیتا ہوا چلا گیا، یہاں تک کہ قونیہ میں پہونچکر ان کی ساری طاقت توڑ دی جس سے آستانہ میں خطرہ پیدا ہوگیا کہ ترکی سلطنت صفحۂ وجود سے مٹ جائیگی۔ مجبوراً سلطان محمود ثانی نے مصر اور شام پر محمد علی کی سلطنت بالاستقلال نسلاً بعد نسل تسلیم کی۔ اب ابراہیم پاشا شام کے انتظام کے لئے اپنی ستر ہزار فوج لئے ہوئے انطاکیہ

Scanned by CamScanner

میں آگیا اور اس کے صوبوں میں اپنے مخلص اور وفادار امراء میں سے چن چن کر نائب مقرر کیے۔ شریف پاشا کو "حکمدار عربستان" کا لقب دیکر فلسطین بھیجا۔ سلیمان پاشا فرنسوی کو صیدا۔ اسماعیل بک کو حلب اور احمد منیکلی پاشا کو ادرنہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور امیر بشیر شہابی کبیر کو جو اس کا خاص حلیف تھا اسکی ریاست لبنان پر برقرار رکھا۔

ابراہیم پاشا کی انتظامی قابلیت مسلم اور عدل و داد کی عام شہرت تھی۔ لوگوں نے امن واطمینان کا سانس لیا اور آرام کے ساتھ رہنے لگے۔ پاشا ایک بار دورہ کے لئے اٹھا کہ رعایا کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ہر جگہ اسکا استقبال جوش، خوشی اور مسرت کے ساتھ کیا گیا۔ حلب میں پہونچکر وہاں کے شاہی قلعہ میں قیام کیا۔ ایک دن عربی سواروں کا ایک مختصر دستہ قلعہ کے دروازہ پر پہنچا۔ ایک نوجوان گھوڑے سے اترکر دربان کے پاس آیا اور کہا کہ پاشا کو اطلاع دو کہ غانیہ کا بیٹا سرحان آپ سے ملنے کیلئے آیا ہے۔

پاشا یہ نام سنتے ہی مسکراتے ہوئے اٹھا اور کہا کہ ہاں۔ ہاں اندر لاؤ معہ رفقا کے۔ اور استقبال کے لئے تالبِ فرش آیا۔ سرحان نے سلام کیا۔ مصافحہ کرتے ہوئے دستور کے مطابق اس کا ہاتھ چوم لیا۔ اور کہا کہ قونیہ کی جنگ کے زخموں سے اچھا ہونے کے بعد اپنے قبیلہ کے جوانوں کے ساتھ کوتاہیہ کے عہدنامہ پر مبارکباد دینے کے لئے خدمت میں آیا ہوں۔ پاشا نے اہلاً وسہلاً کہتے ہوئے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ گردن جھکائی اور کہا کہ "تمہارے شجاعانہ کارناموں کا میں ممنون ہوں ان کے شکریہ سے میرا سینہ اور دل لبریز ہے۔ تم اور تمہارا قبیلہ صحرا کے شیر، بیابان کے ببر" یہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ بڑھائے اور ہر ایک کے ساتھ بغلگیر ہوا۔

یہ سرحان کون تھا؟ اور غانیہ کون تھی؟ پاشا کو قلعہ میں ان نوجوانوں سے باتیں کرنے دیجئے اور آیئے ہم اور آپ ان معرکوں کی سیر کریں جو اس سے چند سال پہلے مصریوں اور نجدیوں میں ہوئے وہاں سے ہم ان کو پہچان سکیں گے۔

Scanned by CamScanner

۱۸۱۲ء سے جب کہ مصری حملہ نجد پر شروع ہوا ۱۸۱۶ء یعنی چار سال تک حجاز اور نجد کے میدان خونی معرکوں کے مرقع تھے۔ فوجوں پر فوجیں اور قبیلوں پر قبیلے۔ جوان، بڈھے۔ مرد عورت، بچے اور بچیاں ساتھ ساتھ چمکتی ہوئی تلواریں اور نیزے، شعلے مارتی ہوئی بندوقیں اور توپیں، گھوڑوں کی ہنہنا ہٹیں اور جنگ آوروں کے نعرے۔

مصری حملے جو پہلے محمد علی پاشا کے بڑے فرزند طوسون پاشا کی ماتحتی میں ہوئے اکثر ناکامیاب رہے کیونکہ وہابیوں کا امیر سعود نہایت شجاع، مدبر اور با اثر تھا لیکن ادھر سعود کا انتقال ہوگیا اور اس کا ناتجربہ کار بیٹا عبداللہ تخت پر آیا اور ادھر طوسون کی پیہم ناکامیوں سے مجبور ہو کر خود محمد علی پاشا نے مصر سے آکر فوجی قیادت اپنے ہاتھ میں لی اسوجہ سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور وہابی مسلسل شکست کھانے لگے ۱۸۱۴ء میں محمد علی پاشا کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کو وہ زندگی بھر نہیں بھولا اور اکثر محفلوں اور دعوتوں میں اسکا ذکر کیا کرتا تھا

عرب کے بعض بادیہ نشین قبائل میں ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے اور آج بھی ہے کہ وہ اپنے قبیلہ کی حسین ترین بیٹی کو اپنا افتخار سمجھتے ہیں۔ اور حسن کے عشق نہیں بلکہ احترام میں دنیا کی کل قوموں سے آگے ہیں۔ جب کوئی لڑائی پیش آتی ہے تو ایک توانا اونٹ کو قیمتی ساز و سامان سے سجا کر اس پر اس حسینہ کو زیوروں اور کپڑوں سے آراستہ کر کے سوار کراتے ہیں اور قبیلہ کے آگے آگے رکھتے ہیں۔ وہ اپنی تقریر دل اور حماسی شعروں سے ان کے جنگ و حمیت کے جذبوں کو ابھارتی ہے اور سارا قبیلہ اس کو اپنی عزت اور حرمت کا زندہ سرمایہ قرار دیکر اس کے اونٹ کے ارد گرد میدان جنگ میں جمع ہو جاتا ہے اور بے جگری کے ساتھ اس کی حفاظت اور حمایت میں لڑتا ہے۔ اس کے چاروں طرف لاشیں اسطرح گرتی ہیں جیسے خزاں میں درختوں سے پتے۔

جبال شمر کے ایک قبیلہ معاویہ میں اسیطرح کی "صباح قبیلہ"[۱] ایک عورت حلیمہ تھی۔ وہ خود اپنے قبیلہ کی قیادت

---

[۱] عرب کی ان عورتوں میں جنھوں نے اپنے قبائل کی قیادت کی سب سے زیادہ نامور اور حسن میں سب سے زیادہ ممتاز ایک عورت صباح گذری ہے۔ اس کی مقبولیت کی وجہ سے اب ہر قبیلہ کی قائد عورت کو صباح کا لقب دیا جاتا ہے۔ جیسے ہر سخی کو حاتم کا۔ امید ہے کہ میں جلد ہی صباح کا واقعہ بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کر سکوں گا۔ (اسلم)

کرتی تھی اور مصری فوجوں کو کئی بار زک دے چکی تھی۔ اس کا نام دور دور مشہور ہو گیا تھا۔ محمد علی پاشا کے آنے کے بعد مصریوں سے جب مقابلہ ہوا تو قبیلہ مذکور شکست کھا گیا اور حلیمہ گرفتار ہو گئی۔ جس وقت سامنے حاضر کی گئی پاشا نے کہا کہ میں تیری شجاعت کا حال سن چکا ہوں اور تیرے کارناموں کا میرے دل پر بڑا اثر ہے۔ جس کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ تجھکو آزاد کر دوں، مگر شرط یہ ہے کہ پھر ہمارا مقابلہ نہ کرے۔

حلیمہ نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یہاں سے واپس جا کر میرے پاس اس کے سوا اور کیا کام ہوگا کہ اپنے لوگوں کو جمع کر کے پھر جہاد کروں۔

پاشا نے کہا کہ پھر تو مجبوراً نظر بند رکھنا ہوگا جس مقام پر قیدی رکھے جاتے تھے وہاں اسکو بھیجدیا اور حکم دیا کہ احترام اور آرام کے ساتھ رکھی جائے۔

اس کے چند روز کے بعد ہی تربہ کا دوسرا معرکہ پیش آیا جس میں مصری اور نجدی دونوں فریق آخری فیصلہ کے لئے اپنی پوری قوت سے آئے تھے۔ خطرناک مقابلہ تھا عین لڑائی میں پاشا کے ایک ضابطہ نے اس کو اطلاع دی کہ فلاں سمت سے عربوں کی ایک تازہ دم جماعت آرہی ہے۔ پاشا نے فوراً اپنے ایک دستہ کا رخ ادھر پھیرا۔ قسمت نے نجدیوں کا ساتھ نہیں دیا۔ اور وہ شکست کھا گئے۔ پاشا میدان میں مقتولوں اور زخمیوں کا معائنہ کر رہا تھا کہ یکایک اس نے دو زخمی عورتیں دیکھیں۔ اور اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک حلیمہ ہے۔

ہیں!! تو یہاں کہاں حلیمہ؟ کیا میں نے تجھکو اسیروں کے ساتھ نہیں رکھا تھا؟ اس نے اپنی مجروح گردن اٹھائی اور نرم آواز میں کہا کہ ہاں مگر میں اپنی تدبیروں سے نکل آئی۔ الحمد للہ کہ شہادت میرے نصیب میں تھی۔ پھر اس نے دوسری عورت سے کہا کہ غانیہ! میرا وقت آچکا۔ تجھے اللہ کی حفاظت میں سپرد کرتی ہوں وہ جنگ و جہاد کی توفیق دے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

پاشا نے نہایت احترام کے ساتھ اس کو دفن کرایا۔ اور غانیہ کے علاج کی طرف خصوصیت کے ساتھ

Scanned by CamScanner

توجہ مبذول کی۔ جب وہ اچھی ہو گئی تو اس کو رخصت کر دیا۔

غالیہ نے اس احسان کے بدلہ میں پھر مصریوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ ابراہیم محمد علی کا چھوٹا بیٹا جو اسکے مصر جانے کے بعد نجد کی فتح پر مامور ہوا تھا غالیہ کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ عرب کی عورتوں کی قومی غیرت اور شجاعت کا اسقدر قائل تھا کہ بار بار کہا کرتا تھا کہ اگر ان کی حمایت مجھے میسر ہو جائے تو پھر کسی شکست کا اندیشہ نہ رہے۔ اس لئے ان کی حرمت اور مدارات کا خاص خیال رکھتا تھا۔ جب ترکوں کے ساتھ اس نے جنگ شروع کی تو غالیہ نے اپنے قبیلہ کو جمع کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ہم ترکوں کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ مصریوں کی حمایت کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے بیٹے سرحان کو اپنے قبیلہ کے جوانوں کے ساتھ ابراہیم پاشا کی فوج میں بھیجدیا تھا جنھوں نے مختلف معرکوں خاصکر قونیہ میں کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ اور اب شاہی قلعہ میں اس کو فتح اور کامیابی کی مبارکباد دینے آئے ہیں۔

تفسیر سورۃ الفیل (عربی)

اس کتاب کی ہر فصل ایک مستقل کتاب ہے۔ واقعہ فیل کی اصلی حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی جس سے سورہ کی تفسیر میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مولانا نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کر کے، تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ واقعہ طیر کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دیدیا تھا۔ مولانا نے اس واقعہ کے متعلق کئی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کر کے اسکی اصل حقیقت آشکارا کر دی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت و کاغذ بہترین قیمت : ۸/

منیجر

ادبیات

غزل

از جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم۔اے۔ایل۔ایل بی وکیل اعظم گڈھ

ہے ان کے پرتو عارض سے اب یہ حال نظر
کہ وہ بھی محو ہوئے دیکھکر جمال نظر

نظر ہی رہ نہ گئی کیا ہوا احتمال نظر
وہ خود سما گئے آنکھوں میں اب مثال نظر

وہ حسن ہے ہمہ تن آپ ہی سوال نظر
نہیں تو عشق کہاں اور کہاں مجال نظر

بس اک نظر نے یہ ساری قیامتیں ڈھا دیں
نظر کو ہائے اب آیا نظر مآل نظر

ہے ایک ذرۂ ناچیز مہر در آغوش
کمال جلوہ کہوں اس کو یا کمال نظر

تمھارے جلوۂ رنگیں کی سب ہیں تعبیریں
بہار جاں، چمن آرزو، جمال نظر

ستم پہ اور ستم حسن کی پشیمانی
نظر سے بڑھ کے جگر دوز انفعال نظر

مجھے تو دہر کی ہر شئے حسیں نظر آئی
عموم حسن ہے یا پرتو جمال نظر

دیار حسن میں نقطوں کا انتظار ہے جرم
یہاں تو فرض محبت ہے امتثال نظر

وہ میری عرض تمنا پہ چین پیشانی
وہ میرے شکوۂ ہجران پہ انفعال نظر

وہ اس جبین کے تبسم پہ بیقراری شوق
وہ اس نگہ کے ترنم پہ وجد و حال نظر

حریم راز کا ہر گوشہ چھان ڈالا ہے
جنون شوق میں اللہ رے کمال نظر

بس اک نگاہ کے بعد آجتک یہ عالم ہے
نظر تو کیا کبھی آیا نہیں خیال نظر

تمھارے خاک نشینوں کی شان کیا کہنا
فلک بھی کانپ اٹھے دیکھے اگر جلال نظر

حیا کے ساتھ ہو شوخی، ادب کے ساتھ ہو شوق
کمال حسن محبت ہے اعتدال نظر

انھیں کا فیض نظر ہے سرور میں غم میں
کہیں جمال نظر ہے کہیں جلال نظر

حجاب قدس تک اب تو نزا گذر ہے سہیل
خدا نظر سے بچائے یہ زور بال نظر

تلخیصات

علم امتحان کی کسوٹی پہ

گلیلو

(۱۵۶۴-۱۶۴۲)

۷ جنوری سنہ ۱۶۱۰ء کی رات، تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائیگی۔ اسی رات سے گلیلو کی بدولت دنیا میں ایک نئے دور کی ابتدا ہوتی ہے اور نظام کائنات کے متعلق، قدیم بساط علم ہمیشہ کیلئے الٹ دی جاتی ہے۔

اگرچہ گلیلو سے تین صدی قبل روجر بکین Roger Bacon نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایسے آلے بنائے جا سکتے ہیں جن سے ستارے ہم کو قریب نظر آنے لگیں لیکن سنہ ۱۶۰۸ء سے قبل کوئی دوربین ایجاد نہیں ہوئی۔ سب سے پہلی دوربین لپرشی Lippershey نامی ایک شخص نے سنہ ۱۶۰۸ء میں بنائی۔ جب اس عجیب و غریب آلہ کی اطلاع، پاڈوا کے بوڑھے ریاضیدان کو ہوئی تو اس کو اس آلہ کے اصول معلوم کرنے کی فکر ہوئی اور بالآخر اس نے ایک ایسی دوربین تیار کی جو قوت میں لپرشی کی دوربین سے بدرجہا بڑھکر تھی۔ اس نئی ایجاد کی خبر جب ملک میں پھیلی تو اٹلی کی علمی مجلسوں میں اس پر بہت زیادہ مسرت کا اظہار کیا گیا۔ اور موجد کو وینس آنے کی دعوت دی گئی تاکہ اسکی اس نئی ایجاد کو بادشاہ اور وزرا دیکھ سکیں۔ ایک روز صبح تڑکے، وینس کے باشندوں نے دیکھا کہ شہر کے تمام بوڑھے حکام، ایک بلند چوٹی پر چڑھ رہے ہیں تاکہ وہاں سے دور سمندر کے اندر دوربین کے ذریعہ، ان چھوٹی چھوٹی کشتیوں کو دیکھیں جو کسی طرح غیر مسلح آنکھوں سے دیکھی نہیں جا سکتیں۔

اس دوربین کا موجد کون تھا؟ گلیلو۔ وہ گلیلو جو دور جدید کے بانیوں میں ہے اور جسکی تحقیقات پر موجودہ

Scanned by CamScanner

تہذیب و تمدن کی دیوار کھڑی ہے۔ گلیلو کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے کائنات کے متعلق بطلیموس کے اُس نظریہ کو ہمیشہ کے لیے درہم برہم کر دیا جو مدتہائے دراز سے ایک مسلمہ حقیقت کی طرح صحیح تسلیم کیا جارہا تھا اور جس کی مخالفت، کفر و زندقہ کے مرادف سمجھی جاتی تھی۔ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ دردناک پہلو یہ ہے کہ اس نے زمین و آسمان کے مناظر دیکھنے کیلئے، ہماری آنکھیں تو کھول دیں لیکن خود قید خانہ میں اس حالت میں مرا کہ اس کا اپنا وجود بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

گلیلو سے دو ہزار قبل، فیثاغورس اور فیلولوس نے زمین کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ ساکن نہیں ہے بلکہ ہر روز اپنے محور پر ایک چکر لگاتی ہے۔ لیکن گلیلو سے قبل فیثاغورس کی یہ رائے ناقابل التفات سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ ارسطو نے اس خیال کی شدت سے مخالفت کی تھی کہ زمین متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے۔ ارسطو کے بعد بطلیموس آیا اور اس نے اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کے لئے ایک الگ نظریہ قائم کیا جس کی پشت پناہی بعض دینی عقائد کی بناء پر تمام مذہبی حلقوں نے بھی کی۔ اس لئے ایک مدت دراز تک نظام کائنات کے متعلق بطلیموس ہی کا نظریہ صحیح خیال کیا گیا۔ اور لوگوں کے ذہنوں اور دماغوں میں اس طرح راسخ ہو گیا کہ اس کے خلاف آواز اٹھانا کفر سمجھا جانے لگا۔ اگرچہ گلیلو سے قبل بھی ایسے روشن خیال اور جری لوگ ملتے ہیں جنھوں نے اس مسلمہ عقیدہ کے خلاف آواز اٹھائی جس میں سب سے زیادہ جرأت کوپرنیکس Copernicus نے دکھلائی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ۲۶ برس کے بحث و مناظرہ کے بعد بھی، کوپرنیکس کی رائے پر دنیا متفق نہ ہو سکی اور گلیلو سے قبل، اس بارہ میں بحث و جدال کا بازار گرم رہا۔ اس وقت گلیلو میدان بحث میں نئے سروسامان کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور چند منٹ میں بحث کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ مخالفین اس کے سامنے سر خم کر دیتے ہیں اور اس طرح ان تمام خرافات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے جو مدت دراز سے لوگوں کے اندر قائم تھے۔

گلیلو۔ ۱۵ فروری ۱۵۶۴ء میں پیزا میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے اس کو صنعت و حرفت سے دلچسپی تھی۔

Scanned by CamScanner

وہ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی چیزیں، اپنے ہاتھ سے بنایا کرتا۔ گلیلو بلا کا ذہین اور محنتی تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے ذاتی شوق و محنت سے بہت سے علوم کا ماہر بن گیا۔ اس کے باپ نے، طب پڑھنے کے لئے ایک مدرسہ میں داخل کرا دیا لیکن طب میں، اس کا جی نہیں لگتا تھا۔ اس کا طبعی رجحان، فن ریاضی کی طرف تھا۔ اس نے اپنے شوق کا اظہار، باپ کے سامنے کیا لیکن اس نے اس کی پرزور مخالفت کی اتفاق سے اس کے باپ کے دوستوں میں، فن ریاضی کا ایک ماہر بھی تھا جو کبھی کبھی اس کے یہاں آیا جایا کرتا تھا۔ گلیلو نے پوشیدہ طور پر اس سے ریاضی پڑھنا شروع کر دیا۔ باپ کو جب اس کا علم ہوا تو اس سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے تک کی ممانعت کر دی لیکن گلیلو ریاضی کا عاشق تھا، وہ کسی طرح چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ باپ کے سامنے بقراط اور جالینوس کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا لیکن جہاں ذرا موقع ملتا، بقراط اور جالینوس کو الگ پھینکتا اور ریاضی کی کوئی کتاب پڑھنے لگتا۔ بالآخر اس کے باپ کو اس کے بے پایاں شوق کو دیکھکر اجازت دینی پڑی۔ گلیلو نے تھوڑے ہی دنوں میں، ریاضی میں اتنی شہرت حاصل کی کہ چوبیس برس کی عمر تک پہونچتے پہونچتے، پیزا کے ایک مدرسہ میں ریاضی کا استاد مقرر ہو گیا۔ لیکن وہاں وہ زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکا۔ اس کے بعض خاص خیالات کی بنا پر لوگوں نے اسکی مخالفت شروع کر دی۔ وہ اس مدرسہ کو چھوڑ کر فلورنس چلا آیا۔ وہاں ایک دوست کی کوششوں سے، ۶ سال کے لئے پڈوا کے ایک بڑے مدرسہ میں نوکر ہو گیا۔ ۶ سال کی میعاد ختم ہو گئی تو حکومت نے از راہ قدر دانی اسکی ملازمت میں ۶ سال مزید کا اضافہ کر دیا۔

پڈوا میں آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد، یہ مشہور ہونے لگا کہ گلیلو، کوپرنیکس کا ہم مذہب ہے اس کے اس جدید رجحان کا پتہ اسطرح چلا کہ اس نے کپلر کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ "میں مدت دراز سے کوپرنیکس کے نظریہ کو صحیح تسلیم کرتا ہوں کیونکہ مسلمہ نظریہ کے برعکس، اس نظریہ سے، کائنات کی بہت سی چیزوں کے اسباب سمجھ میں آتے ہیں" پھر اس نے لکھا تھا کہ "قدیم مسلم نظریہ کو باطل کرنے کے لئے میرے پاس

Scanned by CamScanner

بہت سے دلائل ہیں لیکن میں ان کا اظہار اس ڈر سے نہیں کرتا کہ کہیں میرا انجام بھی وہی نہ ہو جو کوپرنیکس کا ہوا۔ اس خوف کی ایک خاص وجہ بھی تھی۔ ابھی کچھ ہی دنوں کا واقعہ تھا کہ برونو کو اسی جرم میں ۶ سال سزائے قید بھگتنے کے بعد، آگ میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ اس واقعہ سے تمام مفکرین کے دلوں میں ہراس پیدا ہو گیا تھا۔ اسکا اثر گلیلو پر بھی تھا لیکن اس کیلئے اپنے خیالات کا چھپانا دشوار تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے اصلی خیالات کا علم سب کو ہوتا گیا۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کنیسہ کی تمام قوتیں اسکی مخالفت کے لئے سمٹ آئیں اور اسکو صفحۂ ارض سے مٹا دینے کے درپے ہو گئیں اور ہم کو اعتراف کرنا چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں کنیسہ کی قوت پر غالب نہ آسکا بلکہ قید خانہ میں، بصارت سے محروم ہو کر نہایت بیکسی کے عالم میں جان دی۔

۱۶۱۱ء میں گلیلو نے روما کی سیاحت کی۔ وہاں اسکی بڑی عزت ہوئی۔ وہ جہاں جاتا ارسطو وغیرہ کے متبعین کا مذاق اڑاتا اور ان پر چوٹیں کرتا اور علمی انہماک اور مشغولیتوں کے باوجود، اس سے باز نہ آتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود روما میں اس کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے۔ ان دشمنوں نے، کسی طرح قابو پا کر اسکے نام طلبی کا ایک فرمان جاری کرا دیا اور مجبوراً گلیلو کو عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ وہاں اسکو مخالفین کا سخت مقابلہ کرنا پڑا لیکن وہ ہر معرکہ کامیاب لوٹتا۔ وہ جب تک مجمع میں موجود رہتا اس کی شخصیت، کام کرتی اور کوئی اس کی بات کو رد نہ کر سکتا لیکن اس کے پر زور دلائل نے یہ اثر دکھلایا کہ دشمنوں نے کوشش کر کے، کوپرنیکس اور کیپلر کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا ممنوع کرا دیا اور کارڈینل بیلرمنی Bellarmine کو آمادہ کیا کہ گلیلو سے اس کے خیالات کے متعلق سخت باز پرس کرے۔ گلیلو کے سامنے اب صرف دو ہی شکلیں تھیں یا تو اپنے خیالات سے باز آجائے یا قید خانہ اور سزا بھگتے۔ گلیلو نے خاموش رہنے کا عہد کیا۔ اس لئے فلورنسا واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ گلیلو فلورنسا واپس آکر اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا اور بظاہر بہت خاموشی کی زندگی بسر کرنے لگا لیکن ۱۶۲۳ء میں جب پوپ خامس کا انتقال ہوا اور اس کا جانشین اربن ہشتم ہوا تو اس سے گلیلو کو بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ یہ شخص گلیلو کا دوست تھا۔ اسکی جانشینی سے گلیلو نے یہ خیال

Scanned by CamScanner

قائم کیا کہ اب گذشتہ دور تشدد ختم ہو گیا اور شاید اب پوپ اس کے ساتھ کچھ رعایت برتے لیکن کینسہ کا نظام سمجھنے میں اس سے غلطی ہوئی اور اس غلطی کے خمیازہ میں اس کو اپنی جان دینی پڑی۔

گلیلو نے اس وقت سقراط کی روش پر ایک کتاب لکھی جس میں مکالمہ کی صورت میں کوپرنیکس کے خیالات کی تائید کی اور ارسطو وغیرہ کے خیالات کی دھجیاں اڑائیں۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی دشمنوں کو موقع ہاتھ آگیا، پوپ اعظم نے اربن کو اس کے خلاف خوب ابھارا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گلیلو کو روما طلب کیا گیا۔ گلیلو کی عمر اس وقت زیادہ ہو چکی تھی، قویٰ مضمحل ہو چکے تھے۔ بیمار بھی تھا، ہر طرف طاعون بھی پھیلا ہوا تھا، موسم بھی سرد تھا اور فلورنسا سے روما سفر کرنا بہت دشوار تھا اس لئے گلیلو نے سفر کو کچھ دنوں کے لئے ملتوی کرنے کی درخواست کی لیکن یہ درخواست نامنظور کر دی گئی۔ مجبوراً جانا پڑا وہاں اس کو ایک دوست کے یہاں قیام کی اجازت دی گئی لیکن اس شرط پر کہ گھر سے نہ نکلے۔ اس کا مقدمہ، عدالت تفتیش میں پیش ہوا۔ دوستوں نے معافی مانگ کر جان بچانے کا مشورہ دیا۔ گلیلو اس وقت سخت کشمکش میں تھا۔ حق و قوت میں سخت معرکہ تھا۔ بڑھاپے کے آخری ایام تھے۔ اس کے سامنے برونو کو زندہ جلا دینے کا نقشہ تھا ایسے حالات میں چارہ کار کیا تھا! صرف ایک ہی راہ سامنے تھی کہ جرم کا اعتراف کرے اور اپنے مسلک سے باز آنے کا اقرار۔ توبہ کرنے والوں کا لباس پہنکر عدالت میں مقدمہ کا فیصلہ سننے کے لئے آیا۔ اسکی تمام کتابیں، مذہب کے خلاف قرار دی گئیں لیکن اس کی جان بخش دی گئی، صرف حبس دوام کی سزا پر اکتفا کیا گیا۔ مدۃ العمر قید کا فیصلہ سنکر، کہا جاتا ہے کہ جب وہ باہر آیا تو اس نے زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا: "یہ اب بھی گردش کر رہی ہے"!

گو گیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یوں سہی   یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

اس کے بعد وہ قید خانہ بھیج دیا گیا اور اخیر دم تک قید ہی میں رہا۔ مرنے سے ایک سال قبل اس کی آنکھوں کی بصارت بھی زائل ہو چکی تھی اس لئے اس کے بعض دوستوں نے پوپ سے

Scanned by CamScanner

درخواست کی کہ اس کی صحت کا خیال کرتے ہوئے اسکو فلورنسہ میں منتقل کردیا جائے لیکن ایسا کرنے سے انکار کردیا گیا۔ آخر میں محکمۂ تفتیش نے اس کے لیئے ایک طبیب بھیجا لیکن معائنہ کے بعد معلوم ہوا کہ آنکھ کی روشنی واپس نہیں آسکتی اور گلیلو، زندگی سے زیادہ موت کے قریب ہے۔ اس وقت اس کو فلورنسہ جانے کی اجازت دی گئی لیکن اس شرط پر کہ نہ گھر سے باہر نکلے اور نہ حرکت زمین کے متعلق ایک کلمہ منہ سے نکالے لیکن گلیلو نے قید خانہ ہی میں مرنے کو ترجیح دی۔

ا۔ ش

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جنگ و مقابلہ کے متعدد طریقے زمانہ قدیم سے جاری ہیں لیکن جنگ کا سب سے زیادہ عجیب طریقہ وہ ہے جو امریکہ کی ایک ریاست کلیفورنیا میں جاری ہے۔ اسمیں نہ بندوقیں چلتی ہیں اور نہ تلواریں چمکتی ہیں۔ ہر دو فریق بالکل نہتے ایک دوسرے کے مقابل میں آکر ڈٹ جاتے ہیں اور ان کے عقل و نفس کے درمیان اندرونی معرکہ آرائی شروع ہوجاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں فتح و شکست کا فیصلہ ہوجاتا ہے اور مغلوب تھک کر یا کبھی کبھی مردہ ہو کر گرجاتا ہے اس قسم کے معرکوں کی تصدیق ڈاکٹر ہرنگٹن نے بھی کی ہے جو مدت دراز تک اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں ولایت کلیفورنیا میں رہ چکے ہیں۔ اور ان معرکوں کا مشاہدہ بچشم خود کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر ہرنگٹن کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی قوت نفس کی کرشمہ سازیاں اتنی عجیب ہیں کہ انکے سامنے ہندوستانی سادھوؤں کے روحانی تصرفات کی مشہور حکایتیں بھی کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ یہ لوگ مختلف ریاضتوں کے ذریعہ اپنی نفس کی قوت کو اتنا بڑھا لیتے ہیں کہ وہ مدعی ہیں کہ ہزار میل کے فاصلہ سے بھی وہ اپنے دشمن کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس فن کے کمالات کا اظہار عموماً تہواروں کے موقع پر کرتے ہیں، جن کو دیکھنے کے لیئے لوگ دور دور سے آتے ہیں اور ان کے کمالات دیکھکر دنگ رہجاتے ہیں۔

(ا۔ ش)

تقریظ و تبصرہ

الزہرات: - نتیجۂ فکر جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب ندوی کاشغری پروفیسر دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاشغری ندوی کی ذات متعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ہندوستان کا علمی طبقہ الضیاء وغیرہ کے ذریعہ ان سے واقف ہے۔ ندوہ نے ابتک جتنے ادیب پیدا کئے ہیں، مولانا کاشغری ان میں ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ان کو عربی نظم ونثر دونوں پر قدرت حاصل ہے۔ ان کی بدیہہ گوئی ندوہ کے حلقہ میں بہت مشہور ہے۔ ان کی نظمیں الضیاء میں وقتاً فوقتاً چھپتی رہی ہیں اور پسند کی گئی ہیں۔ اب ان کی نظموں کا مجموعہ، دیوان کی صورت میں شائع کیا گیا ہے جو مختلف اصناف سخن پر حاوی ہے اور سب کا سب دیکھنے کے قابل ہے۔ اس دیوان کی بہت سی نظمیں، سلاست، روانی اور شگفتگی کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہیں۔ ابتدا میں مولوی مسعود عالم صاحب ندوی مدیر الضیاء کا ایک دلچسپ مقدمہ ہے جس میں شاعری کی حقیقت اور ہندوستان میں عربی علم ادب کے حالات وادوار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ضمناً ہندوستانی شعراء وادباء کا تذکرہ ہے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ صاحب نظام القرآن کا تذکرہ اس مقدمہ میں کسی ضمن میں نہیں آیا ہے۔ ممکن ہے مقدمہ نگار نے اس صف میں مولانا کے ذکر کے لئے کوئی موزوں جگہ نہ پائی ہو۔ جو لوگ عربی ادب سے ذوق رکھتے ہیں، ان کیلئے اس دیوان کا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب، کاغذ چکنا اور سفید ہے قیمت ۸ مصنف سے یا مکتبۃ الضیاء لکھنؤ سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

ایمان: - (پندرہ روزہ) ایڈیٹر عبدالمجید قریشی) چندہ سالانہ سے رپیہ سیرت کمیٹی پٹی لاہور۔

تنظیم مساجد، اصلاح رسوم اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں، سیرت کمیٹی جو مفید خدمات انجام

Scanned by CamScanner

دے رہی ہے، اس سے ہندوستان کا اخبار بین طبقہ ناواقف نہیں ہے۔ یہ پندرہ روزہ اخبار، اسی کمیٹی کا ارگن ہے۔ اس میں ملکی وسیاسی خبروں کے علاوہ، مفید اصلاحی ومذہبی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مارچ میں ایمان کا ایک خاص نمبر شائع ہوا ہے جو حقیقت میں ۸۶ صفحوں کا ایک مفید رسالہ ہے۔ اسمیں عالم اسلامی کے مشہور صاحب قلم رہنما علامہ شکیب ارسلان کے ایک نہایت بہترین مصلحانہ مضمون کا ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ یہ مضمون عرصہ ہوا مصر کے مشہور رسالہ المنار میں "لماذا تاخر المسلمون وتقدم غیرھم" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اسی وقت بعض مخلصین نے اردو داں طبقہ کے فائدہ کیلئے اسکا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن غالباً یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔ سیرت کمیٹی مستحق ستائش ہے کہ اس نے اس مفید مضمون کو اردو میں شائع کرکے، مسلمانان ہند کے لئے اس کا فائدہ عام کردیا۔

اس مضمون میں مصنف نے مسلمانوں کے زوال اور غیر مسلم اقوام کے عروج وترقی کے اسباب وعلل سے بحث کی ہے۔ مصنف کو اللہ تعالیٰ نے زور تحریر کے ساتھ، قوت فکر اور دردمند دل بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو اکثر، سیاحت کے سلسلہ میں، مسلمانوں کے امراض بچشم خود دیکھنے کا موقع ملا ہے اس لئے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ مسلمانوں کی حقیقی صورت حال کا مرقع ہے۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس رسالہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس خاص نمبر کی قیمت ۳ر ہے۔

بلاغ ماہوار:- مدیر مسئول چودھری علم الدین۔ سائز ۲۰×۲۶/۸ سالانہ چندہ ۲ر۔ پتہ دفتر بلاغ چوک لاہوری دروازہ امرتسر

یہ ایک مذہبی رسالہ ہے جو امرتسر سے "امت مسلمہ" کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے اہم ترین مقاصد میں، قرآنی تعلیمات کی نشر واشاعت اور "صرف قرآن مبین کو جمیع ضروریات وحی کے لئے کافی" ثابت کرنا ہے۔ تفسیر "بیان للناس" کے علاوہ جو مسلسل شائع ہو رہی ہے، عموماً قرآن ومذہب اسلام کے متعلق، ملک کے چند مشہور "روشن خیال مجددین مذہب" کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

اور وقتاً فوقتاً حدیث کے رد و انکار میں "حق گو" صاحب اور ان کے ہم مشرب حضرات کے بھی مضامین نکلتے ہیں۔ انکار حدیث کے سلسلہ میں بعض مضمون نگاروں کی بے اعتدالیاں دیکھ کر ہمیں اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا یہ دیکھکر ہوتا ہے کہ قرآن کی تفسیر و تشریح میں زبان اور گرامر کے عام اور ضروری اصول بھی ملحوظ نہیں رکھے جاتے۔ تفسیر کے چند صفحات ادھر اُدھر سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے مصنف صاحب معاف فرمائیں، اگر ہم یہ عرض کریں کہ اس تفسیر میں صرف روایات ہی سے بغاوت نہیں کی گئی ہے بلکہ زبان کے ان موٹے موٹے قاعدوں کی بھی پرواہ نہیں کی گئی ہے جن سے انحراف کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ مصنف صاحب اگر قرآن کی تفصیل و تشریح کے لئے حدیث کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں تو ان کو اختیار ہے۔ اگر قرآنی تعلیمات و احکامات وغیرہ کو جانچنے کا معیار صرف عقل کو قرار دیتے ہیں تو یہ مبارک اقدام ہے لیکن عقلاً بھی تو، قرآن کی تشریح و تفسیر کے لئے زبان، اسلوب کلام اور محاورات عرب وغیرہ کی رعایت بہرحال کرنی پڑے گی۔ اگر روایات کی طرح ان ضروری اصولوں کی رعایت بھی ضروری نہ ہو تو ہر مفسر قرآن کو اختیار ہے کہ جس آیت کی جو تاویل چاہے کرے۔ (ا۔ ش)

مصحف۔ (ماہانہ) ادارہ، شاکر نائطی، سید صبغۃ اللہ بختیاری و قاسم شریف، بی۔ اے حجم ۵۲ صفحات سائز ۲۰×۳۰/۸ قیمت قسم اول سے ر پتہ عمر آباد، ضلع شمالی ارکاٹ۔

جامعہ دارالسلام، عمر آباد سے شائع ہوتا ہے۔ مذہبی مضامین کے علاوہ علمی اور ادبی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں۔ رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے۔ زبان اور طرز تحریر دیکھکر یہ باور کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ یہ صوبہ مدراس کا رسالہ ہے، جہاں کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ رسالہ مجموعی حیثیت سے مفید ہے۔ کتابت و طباعت اچھی ہے۔

ندیم (مصور ماہانہ) مدیر انجم سہم۔ معاون محمد طٰہٰ ندوی آنگلوی۔ حجم ۷۲ صفحات سائز ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ للعہ

ششماہی عہ پتہ :- مینیجر ندیم گیا۔

بہار کی سرزمین رسائل کے لئے شاید مہر پرور نہیں ہے۔ متعدد رسائل نکلے مگر کسی کو استقلال نصیب نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ندیم چار سال سے برابر پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اور مفید خدمات انجام دے رہا ہے۔ رسالہ کے قلمی معاونین میں امسال مولوی محمد طہ صاحب ندوی کا اضافہ ہوا ہے۔ توقع ہے کہ آپ کی شرکت و اعانت رسالہ کی ترقی کا باعث ہوگی۔ کتابت و طباعت عمدہ ہے۔

دی مسنجر The Messenger اڈیٹر جمیل احمد بی۔ ایس۔ سی حجم ۴۲ صفحات سائز ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ عہ پتہ :- دفتر اسلام مشن، پولیس بازار، شیلانگ۔

یہ ایک ماہوار مذہبی پرچہ ہے جو انگریزی میں اسلام مشن شیلانگ کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مذہب کے متعلق انگریزی زبان میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کی جائیں کہ انگریزی داں طبقہ مذہب سے واقف ہو۔ مقام مسرت ہے کہ اب لوگوں کو اس ضرورت کا احساس ہو رہا ہے یعنی متعدد مذہبی اخبارات و رسائل انگریزی زبان میں شائع ہونے لگے ہیں۔ The Messenger بھی اسی مقصد کے لئے جاری ہوا ہے اور اپنے محدود صفحات میں مذہب کے متعلق بعض اچھے مضامین پیش کرتا ہے۔

استقلال (ہفتہ وار) مدیر وحید الدین صاحب قاسمی ضخامت ۸ صفحے سائز ۱۸×۲۲/۴ سالانہ چندہ سے ششماہی عہ پتہ :- مہتمم "استقلال" دیوبند۔

یہ اخبار دارالعلوم دیوبند کا ترجمان ہے۔ اس میں عام احوال و واقعات کے علاوہ دارالعلوم کے حالات بالالتزام شائع ہوتے ہیں۔ علمائے دیوبند کے فتاوے بھی درج ہوتے ہیں۔ جو لوگ دارالعلوم دیوبند کے حالات سے واقف رہنا چاہتے ہوں ان کے لئے یہ ایک اچھا ذریعہ ہے۔

ع۔ ل

Scanned by CamScanner